ثانوی زبان کی درسی کتاب

جان پہچان

(نویں جماعت کے لیے)

حصہ – 4

विद्ययाऽमृतमश्नुते

एन सी ई आर टी
NCERT

نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ

© NCERT
not to be republished

4922-JAAN PEHCHAN, L2
Textbook for Class IX

ISBN 978-81-7450-998-7

پہلا ایڈیشن

ستمبر 2009 آشوین 1931

دیگر طباعت

دسمبر 2014 پوش 1936
اپریل 2016 چیتر 1938
اپریل 2017 چیتر 1939
فروری 2019 ماگھ 1940
اکتوبر 2019 کارتک 1941
اپریل 2021 چیتر 1943 (NTR)

PD NTR SPA

© نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ، 2009

قیمت: 65.00 ₹

این سی ای آر ٹی واٹر مارک 80 جی ایس ایم کاغذ پر شائع شدہ

سکریٹری، نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ، شری اروندو مارگ، نئی دہلی نے
میں چھپوا کر پبلی کیشن ڈویژن سے شائع کیا۔

جُملہ حقوق محفوظ

- ناشر کی پہلے سے اجازت حاصل کیے بغیر، اس کتاب کے کسی بھی حصے کو دوبارہ پیش کرنا، یاد داشت کے ذریعے بازیافت کے سسٹم میں اس کو محفوظ کرنا یا برقیاتی، میکانیکی، فوٹو کاپینگ، ریکارڈنگ کے کسی بھی وسیلے سے اس کی ترسیل کرنا منع ہے۔
- اس کتاب کو اس شرط کے ساتھ فروخت کیا جارہا ہے کہ اسے ناشر کی اجازت کے بغیر، اس شکل کے علاوہ جس میں کہ یہ چھاپی گئی ہے یعنی، اس کی موجودہ جلد بندی اور سرورق میں تبدیلی کرکے، تجارت کے طور پر نہ تو مستعار دیا جاسکتا ہے، نہ دوبارہ فروخت کیا جاسکتا ہے، نہ کرایہ پر دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی تلف کیا جاسکتا ہے۔
- کتاب کے صفحہ پر جو قیمت درج ہے وہ اس کتاب کی صحیح قیمت ہے۔ کوئی بھی نظرثانی شدہ قیمت چاہے وہ ربر کی مہر کے ذریعے یا چپکی یا کسی اور ذریعے ظاہر کی جائے تو وہ غلط متصوّر ہوگی اور ناقابل قبول ہوگی۔

این سی ای آر ٹی کے پبلی کیشن ڈویژن کے دفاتر

این سی ای آر ٹی کیمپس
شری اروندو مارگ
نئی دہلی - 110016 فون 011-26562708

108,100 فٹ روڈ ہوسڈے کیرے ہیلی
ایکسٹینشن بناشنکری III اسٹیج
بینگلورو - 560085 فون 080-26725740

نوجیون ٹرسٹ بھون
ڈاک گھر، نوجیون
احمد آباد - 380014 فون 079-27541446

سی ڈبلیو سی کیمپس
بمقابل ڈھانکل بس اسٹاپ، پانی ہاٹی
کولکاتا - 700114 فون 033-25530454

سی ڈبلیو سی کامپلیکس
مالی گاؤں
گواہاٹی - 781021 فون 0361-2674869

اشاعتی ٹیم

ہیڈ، پبلی کیشن ڈویژن	:	انوپ کمار راجپوت
چیف ایڈیٹر	:	شویتااُپّل
چیف پروڈکشن آفیسر	:	ارون چتکارا
چیف بزنس منیجر (انچارج)	:	وپن دیوان
ایڈیٹر	:	سید پرویزاحمد
پروڈکشن آفیسر	:	عبدالنعیم

سرورق
اروپ گپتا

پیش لفظ

’قومی درسیات کا خاکہ 2005‘ میں سفارش کی گئی ہے کہ بچّوں کی اسکولی زندگی، ان کی باہر کی زندگی سے ہم آہنگ ہونی چاہیے۔ یہ زاویۂ نظر کتابی علم کی اُس روایت کی نفی کرتا ہے جس کے باعث آج تک ہمارے نظام میں اسکول، گھر اور سماج کے درمیان فاصلے حائل رہے ہیں۔ نئے قومی درسیات پر مبنی نصاب اور درسی کتابوں کی تیاری اسی بنیادی مقصد پر عمل آوری کی ایک کوشش کہی جا سکتی ہے۔ اس کوشش میں مختلف مضامین کو ایک دوسرے سے الگ رکھنے اور رٹ کر پڑھنے کے طریقۂ کار کی حوصلہ شکنی بھی شامل ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ان اقدامات سے قومی تعلیمی پالیسی (1986) میں مذکور تعلیم کے ’طفل مرکوز نظام‘ کی طرف مزید پیش رفت ہوگی۔

اس کوشش کی کامیابی کا انحصار ان اقدامات پر ہے کہ اسکولوں کے پرنسپل اور اساتذہ اپنے تاثرات خود ظاہر کرنے اور ذہنی سرگرمیوں اور سوالوں کے ذریعے سیکھنے کے سلسلے میں بچوں کی ہمّت افزائی کریں۔ ہمیں یہ ضرور تسلیم کرنا چاہیے کہ بچّوں کو اگر موقع، وقت اور آزادی دی جائے تو وہ بڑوں سے حاصل شدہ معلومات کی بنیاد پر نئی معلومات مرتب کرتے ہیں۔ آموزش کے دوسرے ذرائع اور محلِ وقوع کو نظر انداز کرنے کے بنیادی اسباب میں سے ایک اہم سبب، مجوّزہ نصابی کتاب کو امتحان کے لیے واحد ذریعہ بنانا ہے۔ بچّوں کے اندر تخلیقی صلاحیت اور پیش قدمی کے رجحان کو فروغ دینا اُسی وقت ممکن ہے جب ہم آموزشی عمل میں بچّوں کو بہ حیثیت شریک کار قبول کریں اور ان سے اُسی طرح پیش آئیں۔ انھیں محض مقرّرہ معلومات کا جانکار نہ سمجھیں۔

یہ مقاصد اسکول کے نظام الاوقات (Time-Table) اور طریقۂ کار میں معقول تبدیلی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ روز مرّہ معمولات میں نرمی کی اتنی ہی اہمیت/ضرورت ہے جتنی کہ سالانہ کیلینڈر کے نفاذ اور محنت کی، تاکہ تدریس کے لیے دستیاب مدّت کو حقیقتاً تدریس کے لیے وقف کیا جا سکے۔ تدریس اور اندازِ قدر کے طریقوں سے بھی اس امر کا تعیّن ہوگا کہ یہ نصابی کتاب بچّوں میں ذہنی تناؤ اور اکتاہٹ پیدا کرنے کے بجائے ان کی اسکولی زندگی کو خوش گوار بنانے میں کس حد تک

موثر ثابت ہوتی ہے۔نصابی بوجھ کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے نصاب سازوں نے مختلف سطحوں پر معلومات کی تشکیلِ نو اور اُسے نیا رخ دینے کی غرض سے بچّوں کی نفسیات اور تدریس کے لیے دستیاب وقت پر زیادہ سنجیدگی کے ساتھ توجّہ دی ہے۔ اس مخلصانہ کوشش کو مزید بہتر بنانے کے لیے یہ نصابی کتاب سوچنے اور حیرتوں کو جگائے رکھنے، چھوٹے گروپوں میں بحث و مباحثہ کو فروغ دینے اور عملاً انجام دی جانے والی سرگرمیوں کو زیادہ اوّلیت دیتی ہے۔

این سی ای آر ٹی اس کتاب کے لیے تشکیل دی جانے والی ''کمیٹی برائے درسی کتاب'' کی مخلصانہ کوششوں کی شکر گزار ہے۔ کونسل زبانوں کی مشاورتی کمیٹی برائے زبان کے چیئرمین پروفیسر نامور سنگھ اور اس کتاب کے خصوصی صلاح کار پروفیسر شمیم حنفی کی ممنون ہے۔ اس درسی کتاب کی تیاری میں جن اساتذہ نے حصّہ لیا، ہم ان کے متعلقہ اداروں کے بھی شکر گزار ہیں۔ ہم ان سبھی اداروں اور تنظیموں کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے اپنے وسائل، مآخذ اور عملے کی فراہمی میں فراخ دلی کا ثبوت دیا۔ ہم وزارت برائے فروغ انسانی وسائل، حکومتِ ہند کے شعبے برائے ثانوی اور اعلیٰ ثانوی تعلیم کی جانب سے پروفیسر مرنال مری اور پروفیسر جی۔ پی۔ دیش پانڈے کی سربراہی میں تشکیل شدہ نگراں کمیٹی (مانیٹرنگ کمیٹی) کے اراکین کا بھی خصوصی شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے اپنا قیمتی وقت اور تعاون ہمیں دیا۔ باضابطہ اصلاح اور اپنی اشاعت کے معیار کو مسلسل بہتر بنانے کے مقصد کی پابند ایک تنظیم کے طور پر این سی ای آر ٹی تمام مشوروں اور آرا کا خیر مقدم کرتی ہے تاکہ کتاب کو مزید غور وفکر کے بعد اور زیادہ کارآمد اور بامعنی بنایا جاسکے۔

ڈائریکٹر

نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ

نئی دہلی

© NCERT not to be republished

اس کتاب کے بارے میں

جدید ہندوستانی زبانوں میں اردو کو خاص مقام حاصل ہے۔ یہ زبان ملک کی مختلف ریاستوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ سہ لسانی فارمولے کے تحت بھی اردو کی تعلیم پر توجہ دی جاتی ہے۔

کونسل کے ذریعے تیار کردہ ’قومی درسیات کا خاکہ 2005 ‘ کی سفارشات کے بموجب مادری زبان کی تعلیم کے واسطے پہلی جماعت سے بارھویں جماعت تک اردو میں درسی اور معاون درسی کتب پہلے ہی مہیّا کی جاچکی ہیں۔ اب کونسل نے ثانوی زبان کی تعلیم کے لیے چھٹی جماعت سے دسویں جماعت تک اور تیسری زبان کی تعلیم کے لیے ساتویں سے دسویں جماعت تک اردو میں نئی درسی کتابیں تیار کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

’قومی درسیات کا خاکہ-2005 ‘ کے تحت پیش کی جانے والی یہ کتاب یعنی ’’جان پہچان‘‘ نویں جماعت کے طالب علموں کو دوسری زبان کے طور پر اردو پڑھانے کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اسکولوں میں دوسری زبان کی تعلیم کا آغاز چھٹی جماعت سے تجویز کیا گیا ہے اس لیے مذکورہ بالا درسی کتاب اردو کی تعلیم کے اس سلسلے کی چوتھی کتاب ہے۔ اس کتاب کا خاص مقصد طلبا کو بنیادی زبان سے واقف کرانا ہے تاکہ وہ مطلوبہ معیار کے مطابق صحیح اردو پڑھنا، بولنا اور لکھنا سیکھ جائیں۔ چھٹی سے دسویں جماعت تک کی ان درسی کتابوں کے ذریعے یہ بھی کوشش کی گئی ہے کہ طلبا کی زبان کا معیار بتدریج بلند ہوتا جائے۔ اس سلسلے کی ابتدائی کتابوں میں زبان کی تعلیم پر زور دیا گیا ہے اور اسباق کی تیاری میں بتدریج ادب کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ ان کتابوں میں ایسے اسباق شامل ہیں جن کے مطالعے سے انسان دوستی، فرض شناسی، حب الوطنی، قومی یک جہتی اور خوش حال زندگی سے متعلق جذبات فروغ پاسکیں۔ اسباق کے ذریعے جدید سائنسی موضوعات ، ماحولیات اور دیہی زندگی سے متعلق معلومات بھی بہم پہنچائی گئی ہے۔ امید کہ اس سلسلے کی کتابوں کے مطالعے سے طلبا میں صحیح اردو سمجھنے، بولنے، پڑھنے، لکھنے اور خیالات کے اظہار کی خاطر خواہ صلاحیت پیدا ہوسکے گی۔

© NCERT not to be republished

کمیٹی برائے درسی کتاب

چیئر مین، مشاورتی کمیٹی برائے زبان

نامور سنگھ، پروفیسر ایمریٹس، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی

خصوصی صلاح کار

شمیم حنفی، پروفیسر ایمریٹس، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

چیف کوآرڈی نیٹر

رام جنم شرما، سابق پروفیسر اور ہیڈ، ڈپارٹمنٹ آف ایجوکیشن اِن لینگویجیز، این سی ای آر ٹی، نئی دہلی

اراکین

آفاق حسین صدیقی، پروفیسر (ریٹائرڈ)، مادھو کالج، اجین

ارشد عبدالحمید، لیکچرر، شعبۂ اردو، گورنمنٹ کالج ٹونک

جلال انجم، پی جی ٹی، گورنمنٹ سرودوے بال ودیالیہ، نور نگر، نئی دہلی

سلیم شہزاد، اردو ٹیچر (ریٹائرڈ)، 323 منگل وار وارڈ، مالیگاؤں

شہپر رسول، پروفیسر، شعبہ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

صادق، پروفیسر، شعبہ اردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی

صفدر امام قادری، صدر شعبہ اردو، کالج آف کامرس، پٹنہ

صفدر نقوی، پرنسپل (ریٹائرڈ)، 702 بیری والا باغ، باڑہ ہندو راؤ، دہلی

ظفر احمد صدیقی، پروفیسر، شعبہ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

عبدالوحید خاں، پروفیسر (ریٹائرڈ)، 255 ساؤتھ ملونی گنج، جبل پور

محمد شاہد حسین، پروفیسر، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی

ممبر کوآرڈی نیٹر

محمد نعمان خاں، پروفیسر (ریٹائرڈ)، ڈپارٹمنٹ آف ایجوکیشن اِن لینگویجیز، این سی ای آر ٹی، نئی دہلی

© NCERT not to be republished

اظہارِ تشکر

اس کتاب میں تلوک چند محروم کی نظم 'ہندو مسلمان' سورج نرائن مہر کی نظم 'بہادر بنو' اسمٰعیل میرٹھی کی 'ایک پودا اور گھاس' حامد حسن قادری کی نظم 'چھٹی کا دن' افسر میرٹھی کی 'بہار کے دن' میر باقر علی دہلوی کا مضمون 'بہادر شاہ کا ہاتھی' فرقت کاکوروی کا 'کہاوتوں کی کہانی' احمد جمال پاشا کا 'ملا نصرالدین' مولوی نذیر احمد کا مضمون 'وقت' پریم چند کی کہانی 'نادان دوست' ڈاکٹر ذاکر حسین کی کہانی 'احسان کا بدلہ احسان' محمد مجیب کی ترجمہ شدہ کہانی 'تنکا تھوڑی ہوا سے اڑ جاتا ہے' خواجہ حسن نظامی کا انشائیہ 'اوس' اور اختر شیرانی کا 'ایک دیہاتی لڑکی کا گیت' شامل ہے۔ کونسل ان سبھی کے وارثین کا شکریہ ادا کرتی ہے۔ اس کتاب کے مسوّدے کو آخری شکل دینے کی خاطر ایک ورک شاپ گورنمنٹ پی جی کالج، ٹونک میں ڈاکٹر ارشد عبدالحمید کی لوکل ڈائریکٹرشپ میں منعقد کیا گیا تھا، کونسل ان کی شکر گزار ہے۔

اس کتاب کی تیاری میں کاپی ایڈیٹر ڈاکٹر ارشاد نیر، ڈی ٹی پی آپریٹر ساجد خلیل فلاحی، اور کمپیوٹر اسٹیشن انچارج پرش رام کوشک نے دلچسپی سے حصہ لیا ہے۔ سرورق ساجد خلیل فلاحی نے تیار کیا ہے۔ کونسل ان سبھی کی شکر گزار ہے۔

اس کے علاوہ، پبلی کیشن ڈپارٹمنٹ کے کاپی ایڈیٹر محمد توحید ناصر اور سینئر ڈی ٹی پی آپریٹر فلاح الدین فلاحی نے بھی اس کتاب کو حتمی شکل دینے میں تندہی سے کام کیا ہے لہٰذا کونسل ان کی بھی شکر گزار ہے۔

© NCERT not to be republished

بھارت کا آئین

تمہید

ہَم بھارت کے عوام متانت وسنجیدگی سے عزم کرتے ہیں کہ بَھارَت کو ایک مقتدَر، سمَاج وَادی، غیرَ مَذھَبی عوامی جَمھُوریَه بنائیں اور اس کے تمام شہریوں کے لیے حاصل کریں۔

انصاف   سماجی، معاشی اور سیاسی

آزادی   خیال، اظہار، عقیدہ، دین اور عبادت

مساوات   بہ اعتبار حیثیت اور موقع اور ان سب میں

اخوت کو ترقی دیں جس سے فرد کی عظمت اور قوم کے اتحاد اور سالمیت کا تیقن ہو۔

اپنی آئین ساز اسمبلی میں آج چھبیس نومبر 1949ء کو یہ آئین ذریعہ ہذا اختیار کرتے ہیں، وضع کرتے ہیں اور اپنے آپ پر نافذ کرتے ہیں۔

1۔ آئینی (بیالیسویں ترمیم) ایکٹ، 1976 کے سیکشن 2 کے ذریعہ ''مقتدر عوامی جمہوریہ'' کی جگہ (3-1-1977 سے)
2۔ آئینی (بیالیسویں ترمیم) ایکٹ، 1976 کے سیکشن 2 کے ذریعہ ''قوم کے اتحاد'' کی جگہ (3-1-1977 سے)

© NCERT not to be republished

ترتیب

	پیش لفظ			iii
	اس کتاب کے بارے میں			v
.1	ہندو مسلمان	نظم	تلوک چند محرومؔ	1
.2	بہادر شاہ کا ہاتھی	مضمون	میر باقر علی دہلوی	6
.3	نادان دوست	کہانی	منشی پریم چند	11
.4	اوس	انشائیہ	خواجہ حسن نظامی	21
.5	ایک دیہاتی لڑکی کا گیت	گیت	اختر شیرانی	26
.6	چڑیا گھر کی سیر	مضمون	ادارہ	30
.7	بہادر بنو	نظم	سورج نرائن مہرؔ	34
.8	احسان کا بدلہ احسان	کہانی	ڈاکٹر ذاکر حسین	38
.9	جنگل کی زندگی	مضمون	ادارہ	44
.10	بانسری والا	ڈراما (جرمن کہانی)	ترجمہ	48
.11	ایک پودا اور گھاس	نظم	اسمٰعیل میرٹھیؔ	55
.12	ریڈ کراس سوسائٹی	مضمون	ماخوذ	60
.13	سندباد جہازی کا ایک سفر	عربی کہانی	ترجمہ	65
.14	کہاوتوں کی کہانی	مضمون	فرقت کاکوروی	71
.15	چُھٹّی کا دن	نظم	حامد حسن قادری	78

© NCERT not to be republished

16.	تنکا تھوڑی ہوا سے اُڑ جاتا ہے	کہانی	ترجمہ: محمد مجیب	82
17.	دوہے		کبؔیر	87
18.	مصنوعی سیّارہ	مضمون	ادارہ	91
19.	بَہار کے دن	نظم	افسؔر میرٹھی	95
20.	گاؤں پنچایت	مضمون	ماخوذ	99
21.	مُلاّ نصرالدین	مضمون	احمد جمال پاشا	103
22.	وقت	مضمون	ڈپٹی نذیر احمد	109

© NCERT not to be republished

تلوک چند محرومؔ

(1887 – 1966)

تلوک چند محروم، دریائے سندھ کے مغربی کنارے، تحصیل عیسیٰ خیل، ضلع میاں والی میں پیدا ہوئے۔ وہیں ابتدائی تعلیم پائی۔ پھر بی۔اے کی سند حاصل کی۔ 1908 میں مشن ہائی اسکول، ڈیرہ اسماعیل خاں میں استاد کے عہدے پر تقرّر رہا۔ 1944 سے 1947 تک گارڈن کالج، راولپنڈی میں اردو، فارسی کے لیکچرر رہے۔ 1948 میں کیمپ کالج دہلی میں اردو کے لیکچرر رہے۔ شعر وشاعری کا شوق بچپن سے تھا۔ محرومؔ قادر الکلام شاعر تھے۔ انھوں نے کئی شعری اصناف میں اپنی صلاحیتوں کا اظہار کیا ہے۔ ان کا کلام 'رباعیاتِ محرومؔ'، 'گنجِ معانی' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

© NCERT not to be republished

ہندو مسلمان

ہندو مسلمان، ہیں بھائی بھائی
تفریق کیسی، کیسی لڑائی
ہندو ہو کوئی یا ہو مسلماں
عزّت کے قابل ہے بس وہ انساں
نیکی ہو جس کا کارِ نمایاں
اَوروں کی مشکل ہو جس سے آساں

© NCERT not to be republished

ہر اک سے نیکی، سب سے بھلائی
ہندو مسلمان سب بھائی بھائی

دونوں کا مسکن ہندوستاں ہے
دو بلبلیں ہیں اِک گلِستاں ہے
اِک سر زمیں ہے اِک آسماں ہے
دونوں کا یک جا سود و زیاں ہے
نا اِتّفاقی آزارِ جاں ہے

مِل جُل کے رہنا ہے کامرانی
ہندو مسلمان، قومیں پرانی

(تلوک چند محرومؔ)

© NCERT not to be republished

مشق

معنی یاد کیجیے:

تفریق	:	فرق
کارِنمایاں	:	وہ کام جس سے سب واقف ہوں، بڑا اور تعریف کے قابل کام
مَسکن	:	رہنے کی جگہ، گھر
گلِستاں	:	باغ

سرزمیں	:	زمین، وطن
یک جا	:	ایک جگہ
سودوزیاں	:	فائدہ اور نقصان
نااتّفاقی	:	میل جول نہ ہونا
آزارِ جاں	:	جان کا دکھ
کامرانی	:	کامیابی

- ## غور کیجیے:

☆ مِل جُل کر رہنے میں ہی کامیابی ہے۔لڑائی جھگڑے نقصان دہ ہوتے ہیں۔تمام قوموں کو مل جل کر رہنا چاہیے۔

- ## سوچیے اور بتایئے:

1۔ عزّت کے قابل کون ہیں؟

2۔ نظم میں ''بُلبلیں'' اور'' گلِستاں'' کے الفاظ کس کے لیے استعمال کیے گئے ہیں؟

3۔ نااتّفاقی کو آزارِ جاں کیوں کہا گیا ہے؟

4۔ کامرانی کا راز کیا ہے؟

- ## نیچے لکھے ہوئے لفظوں کے واحد بنایئے:

اوروں بلبلیں قومیں نیکیاں

- ## نیچے لکھے ہوئے لفظوں کے متضاد لکھیے:

اتّفاق آسان آسماں کامرانی عزّت

© NCERT not to be republished

• عملی کام:

☆ اس نظم کو زبانی یاد کیجیے۔

© NCERT not to be republished

میر باقر علی دہلوی

(وفات۔ 1928)

میر باقر علی دہلوی، دلّی کے آخری داستان گو تھے۔ وہ داستان سنانے دور دور جاتے تھے۔ راجاؤں اورنوابوں کے دربار میں بلائے جاتے تھے۔ وہ ریاست پٹیالہ میں داستان سنانے کے لیے ملازم بھی رہے۔ پٹیالہ سے دلّی آگئے۔ دلّی میں املی کی پہاڑی پر ان کا گھر تھا۔ سنیما کے رواج نے داستان گوئی کے فن کو متاثر کردیا جس کی وجہ سے ان کی عمر کا آخری حصّہ غریبی میں بسر ہوا۔ داستان گوئی انھیں ورثے میں ملی تھی۔ وہ اپنے نانا میر پیڑا کے شاگرد تھے۔

شاہد احمد دہلوی نے لکھا ہے: ''میر صاحب بزم اور رزم کو اس انداز سے بیان کرتے کہ آنکھوں کے سامنے پورا نقشہ کھنچ جاتا۔ داستان کہتے جاتے اور موقع بہ موقع ایکٹنگ کرتے جاتے۔ ہر علم کا انھوں نے باقاعدہ مطالعہ کیا تھا۔ بڑھاپے میں ناقدری اور کسمپرسی کے ہاتھوں میر صاحب کو بڑی تکلیف پہنچی۔''

میر باقر علی نے ''پاجی پڑوس''، ''گاڑے خاں نے ململ جان کو طلاق دے دی'' اور ''مولا بخش ہاتھی'' کے نام سے کتابیں بھی لکھی تھیں۔

© NCERT not to be republished

بہادر شاہ کا ہاتھی

مولا بخش اتنا اونچا ہاتھی تھا کہ اُس کے قد کے برابر ہاتھی نظر سے نہیں گزرا۔ جب اُس پر عَماری کَسی جاتی تھی تو وہ دہلی کے کسی دروازے سے نکل نہیں سکتا تھا۔ وہ چاروں گُھٹنے ٹیک کر شہر سے باہر جاتا تھا اور اسی طرح اندر داخل ہوتا تھا۔ آخر بہادر شاہ بادشاہ نے لاہوری دروازے کو تُڑوا کر مولا بخش ہی کے واسطے اتنا اونچا کروا دیا کہ وہ مع عماری کے گزر جائے۔

اکبر شاہ ثانی کے زمانے میں ایک سوداگر مولا بخش ہاتھی کو لایا تھا۔ اُس کے فیل بان بخارا کے ایک سیّد تھے، کیوں کہ کسی اور شخص کا بادشاہ کی طرف پیٹھ کرنا بے ادبی تھی۔ بہادر شاہ نے فیل بان کو مہابت خاں کا خطاب دیا اور جاگیر بخشی۔

ایک روز مولا بخش مستی میں آ کر بے قابو ہو گیا۔ سیّد صاحب کو غافل پا کر اُس نے انھیں سونڈ میں لپیٹ لیا۔ پھر اُس نے اُن کی ایک ٹانگ اپنے پاؤں کے نیچے داب کر اور ایک سونڈ میں پکڑ کر انھیں زندہ چیر ڈالا۔ سید صاحب کی بیوہ کا ننّھا سا بچّہ دو ڈیڑھ برس کا اُس کی گود میں تھا۔ بے چاری خاوند کے غم میں روتی پیٹتی آئی اور اپنے بچّے کو مولا بخش کے آگے ڈال کر کہا: ’’لے موئے! اس کو بھی مار ڈال۔‘‘ اُس وقت تک مولا بخش کی مستی اُتر چکی تھی۔ اُس نے بچّے کو سونڈ سے پکڑ کر اپنی گردن پر بٹھا لیا۔ اُس روز سے

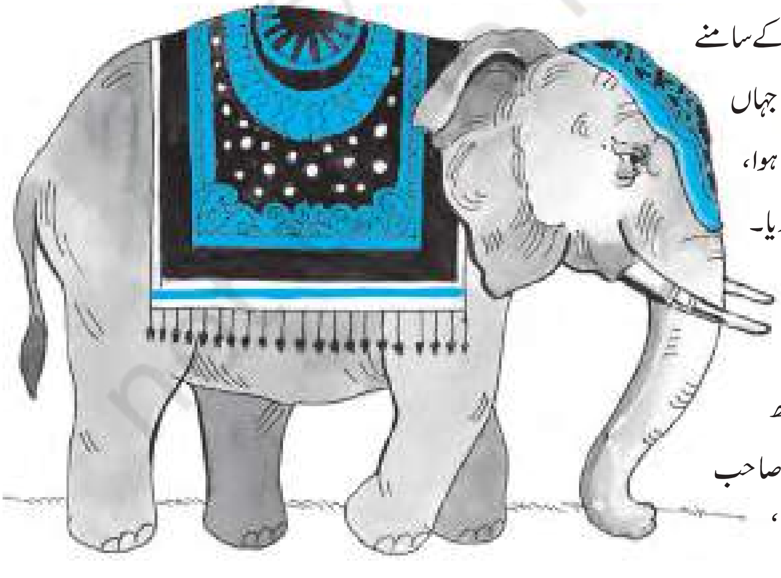

یہ بچہ مولا بخش کے ساتھ رہتا۔ بچّے کے سامنے مولا بخش سے جو کہو، وہ فوراً کرتا اور جہاں یہ بچّہ مولا بخش کی آنکھ سے اوجھل ہوا، مولا بخش نے دنگا کرنا شروع کر دیا۔ اُس بچّے کا نام رحمت علی تھا۔ جب رحمت علی بڑا ہوا تو اُس کے ہم عمر بچّے اُس کے ساتھ کھیلنے کو آتے۔ اگر کسی بچّے نے سید صاحب سے کہا: ’’یار! گنّا نہیں کھلواتے۔‘‘

تو سیّد صاحب مولا بخش سے کہتے کہ ''مولا بخش! ہمارے یار کو یاری دو۔'' مولا بخش گنّا چھیل کر جس بچّے کو سیّد صاحب کہہ دیتے، دے دیا کرتا تھا۔ مولا بخش پر سواری کرنے اور گنّوں کے لالچ سے لڑکے تمام دن وہیں جمع رہتے۔ کوئی لڑکا کہتا: ''مولا بخش یار! چڑّھی دلواؤ۔'' تو یہ اپنی سونڈ پر سے یا پاؤں کو ٹیڑھا کرکے اس لڑکے کو اوپر چڑھا لیتا تھا۔ جب لڑکے زیادہ ہوتے اور ان میں سے کوئی کہتا: ''مولا بخش یاری آوے'' تو مولا بخش گنّا چھیل کر سونڈ میں لے لیتا اور تمام لڑکوں کی نظر بچا کر اُس لڑکے پر گنّا پھینک دیتا تھا۔

جب چڑ کٹا مولا بخش کو روٹی دیتا تو وہ ہر نوالے میں سے ایک کنارہ روٹی کا اپنی باچھ سے باہر نکال دیتا تھا جو بھی لڑکا پاس کھڑا ہوتا، دوڑ کر اُس ٹکڑے کو پکڑ لیتا تھا۔ ہاتھی کی روٹی دو تین انچ موٹی ہوتی ہے۔ بچّہ اُس کو زور کرکے توڑتا اور مروڑتا۔ غرض بہ ہزار دِقّت جب ٹکڑا اس کے ہاتھ آجاتا اور بچّہ وہ ٹکڑا لے کر بھاگ جاتا، اُس وقت مولا بخش وہ نوالا کھاتا تھا۔ نوالے میں سے جب تلک کوئی بچّہ ٹکڑا نہ لے لیتا، وہ روٹی نہ کھاتا تھا۔ لڑکوں سے مولا بخش کا بڑا پکّا یارانہ تھا۔ جہاں کسی لڑکے نے مولا بخش سے کہا کہ مولا بخش! 'نکّی' آوے — مولا بخش اپنا ایک پاؤں اٹھا لیتا تھا۔ اور وہی لڑکا جب ''گھٹنے کی'' کہتا تو مولا بخش اپنا پاؤں زمین پر رکھتا تھا۔ اگر فیل خانے کے کسی آدمی نے بچّوں کو دھمکایا اور وہ نکّی مانگ کر چلے گئے تو مولا بخش اُسی طرح اپنا پاؤں اٹھائے کھڑا رہتا۔ ہر چند سید صاحب کہتے کہ ''وہ بچّہ تھا، چلا گیا''، لیکن مولا بخش کب سنتے تھے۔ جب اسی لڑکے کو بلا کر لاتے اور وہی لڑکا کہتا کہ ''مولا بخش! گھٹنے کی''۔ تب جا کر وہ اپنا پاؤں زمین پر رکھتا۔

مولا بخش جب اپنے گنّے لاتا تھا اور بازار میں کوئی لڑکا کہتا کہ ''مولا بخش نکّی آوے'' تو مولا بخش فوراً اپنا ایک پاؤں اٹھا لیتا۔ چڑ کٹا ہر چند کہتا تھا ''بیٹا چل''، لیکن کیا مجال جو یہ آگے سرک جائیں۔ جب تک ''گھٹنے کی'' وہی لڑکا نہ کہے، مولا بخش ٹس سے مس نہ ہوتا تھا۔

ایک روز فیل بان نے بادشاہ سے عرض کی: ''حضور! مولا بخش تمام گنّے اور راتب کی روٹیاں بانٹ دیتا ہے۔ پہرے پر حکم دے دیا جائے کہ کوئی لڑکا اُس کے پاس نہ آنے پائے۔'' چنانچہ بادشاہ نے حکم دے دیا — صبح کو حسبِ معمول مولا بخش نے لڑکوں کا انتظار کیا۔ جب کوئی لڑکا نہ آیا تو مولا بخش نے گنّے نہ کھائے۔ شام کو راتب نہ کھایا۔ پانی نہ پیا۔ دوسرا روز گزرا، فیل بان نے ہر چند کہا: ''بیٹا روٹی کھالے''، لیکن مولا بخش نے کچھ نہ کھایا۔ جب تیسرا روز ہوا تو فیل بان کو خیال ہوا کہ یہ تو مر جائے گا، اگر نہ کھائے گا۔ مجبوراً بادشاہ کے پاس گیا اور عرض کی ''حضور! مولا بخش نے تین روز سے کچھ نہیں کھایا۔'' یہ سُن کر بادشاہ نے فرمایا: 'بھائی! میں بھی فقیر ہوں اور میرا ہاتھی بھی ایسا ہی ہے۔ خدا نے ہم کو اس واسطے دیا ہے کہ بانٹ کر کھائیں۔ پہرے پر حکم دو کہ کسی لڑکے کو نہ

روکا جائے، غرض جب لڑکے آئے تو مولا بخش نے راتب اور گنّے بانٹ کر کھانے شروع کر دیے۔

مولا بخش جب بادشاہ کے روبرو آتا تھا تو دونوں گھٹنے ٹیک کر اور سر جھکا کر سلام کرتا تھا۔ اس کی مستک اتنی بلند تھی کہ سیّد صاحب اوپر بیٹھے ہوئے دکھائی نہیں دیتے تھے اور جب بادشاہ سوار ہوتے تھے تو نہایت ادب سے سرنگوں چلتا تھا۔

(میر باقر علی دہلوی)

مشق

- ### معنی یاد کیجیے:

عَمّاری	:	ہاتھی کی پیٹھ پر ایک کرسی باندھی جاتی ہے جس پر آدمی بیٹھ جاتے ہیں
مع	:	ساتھ
راتب	:	جانور کا کھانا
فیل	:	ہاتھی
جاگیر	:	بادشاہ کی طرف سے عطا کی گئی زمین
غافل	:	بے خبر
سرنگوں	:	سر جھکائے ہوئے

- ### غور کیجیے:

☆ جانور بھی انسانوں سے محبّت کرتے ہیں۔ انسانوں کو بھی جانوروں کا پورا خیال رکھنا چاہیے۔

© NCERT not to be republished

سوچیے اور بتائیے:

1۔ بہادر شاہ نے لاہوری دروازہ کیوں تڑوایا؟

2۔ مولا بخش کے پاس بچے کیوں آتے تھے؟

3۔ ہاتھی کی روٹی کیسی ہوتی تھی؟

4۔ مولا بخش نے کھانا کیوں بند کر دیا تھا؟

5۔ بادشاہ اور مولا بخش میں کون سی باتیں ملتی جلتی تھیں؟

خالی جگہوں کو بھریے:

1۔ مولا بخش چاروں گھٹنے ٹیک کر............ سے باہر جاتا ہے۔

2۔ فیل بان بخارا کے.................. تھے۔

3۔ ایک روز مولا بخش نے مستی میں آ کر.................. کو مار ڈالا۔

4۔ مولا بخش نے اُس بچّے کو اپنی گردن پر.................. سے پکڑ کر بٹھا لیا۔

نیچے لکھے ہوئے محاوروں سے جملے بنائیے:

آنکھ سے اوجھل ہونا　　ٹس سے مس نہ ہونا　　نظر بچانا

نیچے لکھے ہوئے لفظوں کے متضاد لکھیے:

بلند　　غافل　　بے قابو　　سربلند　　صبح

عملی کام:

☆ اسم کی جگہ استعمال ہونے والے لفظ کو ''ضمیر'' کہتے ہیں۔ مثلاً اُس، وُہ، تم، میں، ہم وغیرہ۔ اس سبق سے پانچ ایسے جملے لکھیے جن میں کسی ضمیر کا استعمال کیا گیا ہو۔

© NCERT not to be republished

پریم چند

(1880 – 1936)

پریم چند کا اصلی نام دھنپت رائے تھا۔ وہ بنارس کے قریب ایک گاؤں لمہی میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کا شمار اردو کے ابتدائی اہم افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ ان کے افسانوں میں زندگی کے روپ اپنے حقیقی مسائل اور کرداروں کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ غربت اور افلاس میں جینے والا عام انسان ،خصوصاً دیہاتی کسان اور مزدور، ان کے افسانوں کا اہم کردار ہوا کرتا ہے۔

پریم چند نے سیکڑوں افسانے اور کئی ناول لکھے ہیں۔'پریم پچیسی'، 'پریم چالیسی'، 'دودھ کی قیمت' اور 'واردات' ان کے اہم افسانوی مجموعے ہیں۔ 'گئودان'، 'غبن'، 'میدانِ عمل'، 'بیوہ' اور 'بازارِ حسن' ان کے اہم ناول ہیں۔

© NCERT not to be republished

نادان دوست

کیشو کے گھر میں ایک کارنس کے اوپر ایک چڑیا نے انڈے دیے تھے۔ کیشو اور اس کی بہن شیاما دونوں بڑے غور سے چڑیا کو وہاں آتے جاتے دیکھا کرتے۔ سویرے دونوں آنکھ مَلتے کارنس کے سامنے پہنچ جاتے اور چڑا اور چڑیا دونوں کو وہاں بیٹھا پاتے۔ ان کو دیکھنے میں دونوں بچّوں کو نہ معلوم کیا مزہ ملتا تھا۔ دودھ اور جلیبی کی بھی سُدھ نہیں رہی تھی۔ دونوں کے دل میں طرح طرح کے سوالات اُٹھتے ''انڈے کس رنگ کے ہوں گے؟ کتنے ہوں گے؟ کیا کھاتے ہوں گے؟ ان میں سے بچّے کس طرح نکل آئیں گے؟ بچّوں کے پر کیسے نکلیں گے؟ گھونسلا کیسا ہے؟'' لیکن ان باتوں کا جواب دینے والا کوئی نہ تھا، نہ امّاں کو گھر کے کام دھندے سے فرصت تھی، نہ بابو جی کو پڑھنے لکھنے سے۔ دونوں بچّے آپس میں سوال و جواب کر کے اپنے دل کو تسلّی

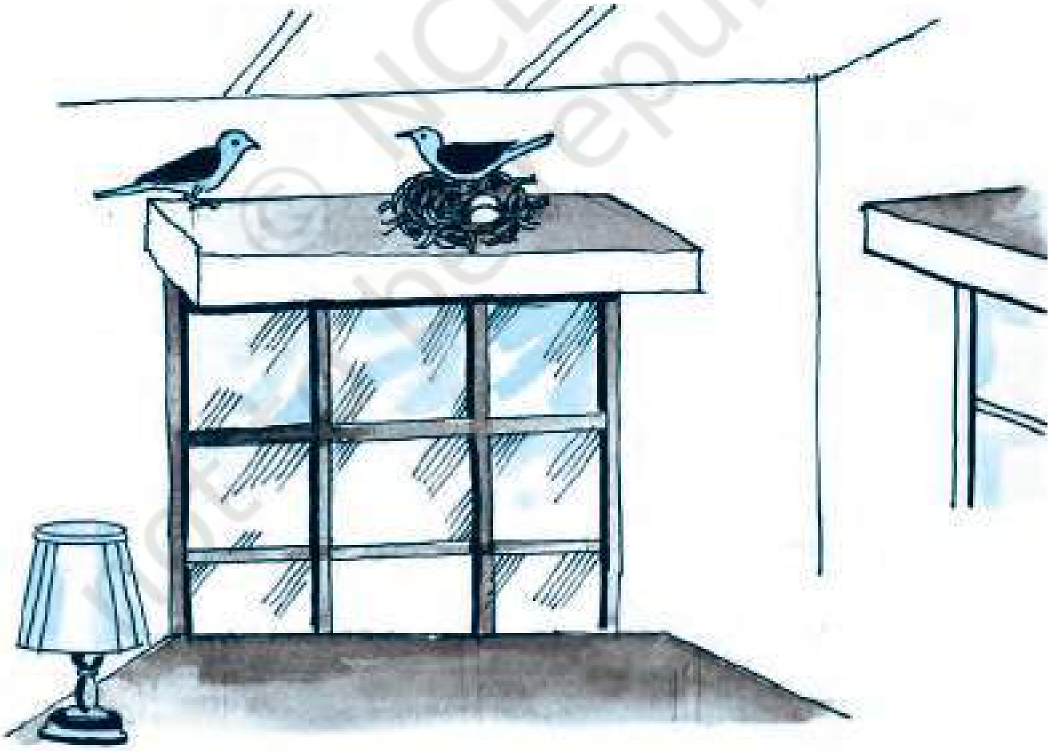

© NCERT not to be republished

دے لیا کرتے تھے۔شیاما کہتی ”کیوں بھیّا! بچّے نکل کر پھر سے اڑ جائیں گے؟“

کیشو عالمانہ غرور سے کہتا: ”ہیں ری پگلی، پہلے پر نکلیں گے۔ بغیر پروں کے بیچارے کیسے اڑ جائیں گے؟“

شیاما: بچوں کو کیا کھلائے گی بیچاری؟

کیشو اس پیچیدہ سوال کا جواب کچھ نہ دے سکا تھا۔

اس طرح تین چار دن گذر گئے۔ دونوں بچّوں کی خواہشِ تحقیقات دن بدن بڑھتی جاتی تھی۔ انڈوں کو دیکھنے کے لیے وہ بے تاب ہواُٹھے تھے۔ انھوں نے قیاس کیا ”اب بچّے ضرور نکل آئے ہوں گے“ بچّوں کے چارے کا سوال اب ان کے سامنے کھڑا ہوا۔ چڑیا بیچاری اتنا دانہ کہاں پائے گی کہ سارے بچّوں کا پیٹ بھرے۔ غریب بچّے بھوک کے مارے چوں چوں کرکے مرجائیں گے۔

اس مصیبت کا اندازہ کرکے دونوں نے فیصلہ کیا کہ کارنس پر تھوڑا سا دانہ رکھ دیا جائے۔ شیاما خوش ہوکر بولی ”تب تو چڑیوں کو چارے کے لیے کہیں اڑکر نہ جانا پڑے گا۔“

کیشو: نہیں تب کیوں جائے گی؟

شیاما: کیوں بھیّا، بچّوں کو دھوپ نہ لگتی ہوگی؟

کیشو کا دھیان اس تکلیف کی طرف نہ گیا۔ تھا بولا ”ضرور تکلیف ہوتی ہوگی۔ بچارے پیاس کے مارے تڑپتے ہوں گے، اوپر سایہ بھی نہیں۔“

آخر یہ فیصلہ ہوا کہ گھونسلے کے اوپر کپڑے کی چھت بنا دینی چاہیے۔ پانی کی پیالی اور چاول رکھ دینے کی تجویز منظور ہوگئی۔

دونوں بچّے بڑے شوق سے کام کرنے لگے۔ شیاما ماں کی آنکھ بچا کر مٹکے سے چاول نکال لائی۔ کیشو نے پتّھر کی پیالی کا تیل چپکے سے زمین پر گرادیا اور اسے خوب صاف کرکے اس میں پانی بھرا۔ اب چاندنی کے لیے کپڑا کہاں سے آئے۔ پھر اوپر بغیر چھڑیوں کے ٹھہرے گا کیسے؟ اوپر چھڑیاں کھڑی کیسے ہوں گی؟

کیشو بڑی دیر تک اسی ادھیڑبن میں رہا۔ آخر اس نے یہ مشکل بھی حل کرلی۔ شیاما سے بولا ”جاکر کوڑا پھینکنے والی ٹوکری اٹھا لاؤ، امّاں کو مت دکھانا۔“

شیاما دوڑ کر ٹوکری اٹھالائی۔ کیشو نے اس کے سوراخ میں تھوڑا سا کاغذ ٹھونس دیا اور ٹوکری کو ایک ٹہنی سے لٹکا کر بولا

دیکھ ایسے ہی گھونسلے پر اس کی آڑ کروں گا تو کیسے دھوپ جائے گی۔

شیاما نے دل میں سوچا، بھیا کیسے چالاک ہیں۔

گرمی کے دن تھے۔ بابو جی دفتر گئے ہوئے تھے۔ ماں دونوں بچّوں کو سلا کر خود سو گئی تھی۔ لیکن دونوں بچّوں کی آنکھوں میں نیند کہاں؟ امّاں جی کو بہلانے کے لیے دونوں دم روکے، آنکھیں بند کیے موقعے کا انتظار کر رہے تھے۔ جوں ہی معلوم ہوا کہ امّاں جی اچھّی طرح سو گئی ہیں، دونوں چپکے سے اُٹھے اور بہت آہستہ سے دروازے کی سٹکنی کھول کر باہر نکل آئے۔ انڈوں کی حفاظت کی تیّاریاں ہونے لگیں۔

کیشو کمرے سے جا کر ایک اسٹول اُٹھا لایا۔ لیکن اس سے کام نہ چلا تو نہانے کی چوکی لا کر اسٹول کے نیچے رکھی اور ڈرتے ڈرتے اسٹول پر چڑھا۔ شیاما دونوں ہاتھوں سے اسٹول پکڑے ہوئے تھی۔ اسٹول چاروں ٹانگیں برابر نہ ہونے کی وجہ سے جس طرف زیادہ دباؤ پاتا تھا، ذرا سا ہل جاتا تھا۔ اس وقت کیشو کو کس قدر تکلیف برداشت کرنی پڑتی تھی، یہ اسی کا دِل جانتا تھا۔ دونوں ہاتھوں سے کارنس پکڑ لیتا تھا اور شیاما کو دبی آواز سے ڈانٹتا۔ ’’ اچھی طرح پکڑو ورنہ اُتر کر بہت ماروں گا۔‘‘ مگر بے چاری شیاما کا دل تو اوپر کارنس پر تھا۔ بار بار اس کا دھیان ادھر چلا جاتا اور ہاتھ ڈھیلے پڑ جاتے۔

کیشو نے جوں ہی کارنس پر ہاتھ رکھا، دونوں چڑیاں اُڑ گئیں۔

کیشو نے دیکھا کہ کارنس پر تھوڑے سے تنکے بچھے ہوئے ہیں اور اس پر تین انڈے پڑے ہوئے ہیں۔ جیسے گھونسلے اس نے درخت پر دیکھے تھے ویسا کوئی گھونسلا نہیں ہے۔

شیاما نے نیچے سے پوچھا ’’ بچّے ہیں بھیّا؟‘‘

کیشو: تین انڈے ہیں ، بچّے ابھی تک نہیں نکلے۔

شیاما: ذرا ہمیں دکھا دو بھیّا، کتنے بڑے ہیں؟

کیشو: دکھا دوں گا، پہلے ذرا جھنڈی لے کر آ۔ نیچے بچھا دوں، بچارے انڈے تنکوں پر پڑے ہیں۔

© NCERT not to be republished

شیاما دوڑ کر اپنی پرانی دھوتی پھاڑ کر ایک ٹکڑا لائی ۔ کیشو نے جُھک کر کپڑا لے لیا اور اسے تہہ کر کے ایک گدّی بنائی اور اسے تنکوں پر بچھا کر تہہ کر کے تینوں انڈے اس پر رکھ دیے ۔ شیاما نے پھر کہا: ''ہم کو بھی دکھا دو بھیّا۔''

کیشو : دکھادوں گا ۔ پہلے ذرا وہ ٹوکری تو دے اوپر سایہ تو کر دوں ۔

شیاما نے ٹوکری نیچے سے تھما دی اور بولی'' اب تم اُتر آؤ میں بھی دیکھوں۔''

کیشو نے ٹوکری کو ایک ٹہنی سے لگا کر کہا۔''جا، دانہ اور پانی کی پیالی لے آ، میں اتر آؤں گا تو تجھے دکھادوں گا۔''

شیاما پیالی اور چاول بھی لے آئی۔

کیشو نے ٹوکری کے نیچے دونوں چیزیں رکھ دیں اور آہستہ سے اُتر آیا۔

شیاما نے گڑ گڑا کر کہا۔'' اب ہم کو بھی چڑھا دو بھیّا؟''

کیشو : تو گر پڑے گی۔

شیاما: نہ گروں گی بھیّا، تم نیچے سے پکڑے رہنا۔

کیشو : کہیں تو گر گرا پڑی تو امّاں جی میری چٹنی ہی کر ڈالیں گی۔ کہیں گی کہ تو نے ہی چڑھایا تھا ۔ کیا کرے گی دیکھ کر؟ اب انڈے بڑے آرام سے ہیں ۔ جب بچّے نکلیں گے تو ان کو پالیں گے۔

دونوں پرندے بار بار کارنس پر آتے تھے اور بغیر بیٹھے ہی اُڑ جاتے تھے۔ کیشو نے سوچا ہم لوگوں کے ڈر سے یہ نہیں بیٹھتے ۔ اسٹول اُٹھا کر کمرے میں آیا۔ چوکی جہاں کی تھی وہیں رکھ دی۔

شیاما نے آنکھ میں آنسو بھر کر کہا۔''تم نے مجھے نہیں دکھایا، امّاں جی سے کہہ دوں گی۔''

کیشو : اماں جی سے کہے گی تو بہت ماروں گا، کہے دیتا ہوں۔

شیاما: تو تم نے مجھے دکھایا کیوں نہیں؟

کیشو : اگر گر پڑتی تو چار سر نہ ہوتے۔

شیاما:ہوجاتے تو ہو جاتے۔ دیکھ لینا میں کہہ دوں گی۔

اتنے میں کوٹھری کا دروازہ کھُلا اور ماں نے دھوپ سے آنکھوں کو بچاتے ہوئے کہا'' تم دونوں باہر کب نکل آئے ؟ میں نے کہا تھا دو پہر کو نہ نکلنا؟ کس نے یہ کواڑ کھولا؟''

کواڑ کیشو نے کھولا تھا ۔ لیکن شیاما نے ماں سے بات نہیں کہی ۔ اسے خوف ہوا کہ بھیّا پِٹ جائیں گے۔ کیشو دل میں

© NCERT not to be republished

کانپ رہا تھا کہ کہیں شیاما کہہ نہ دے۔ انڈے نہ دکھائے تھے۔ اس وجہ سے اب اس کو شیاما پر اعتبار نہ تھا۔ شیاما صرف محبت کے مارے چپ تھی یا اس قصور میں حصّہ دار ہونے کی وجہ سے، اس کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ شاید دونوں ہی باتیں تھیں۔

ماں نے دونوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر پھر کمرے میں بند کردیا اور آہستہ آہستہ انھیں پنکھا جھلنے لگی۔ ابھی صرف دو بجے تھے۔ باہر تیز لو چل رہی تھی اب دونوں کو نیند آ گئی۔

چار بجے یکا یک شیاما کی آنکھ کھلی۔ کواڑ کھلے ہوئے تھے۔ وہ دوڑتی ہوئی کارنس کے پاس آئی اوپر کی طرف تکنے لگی۔ ٹوکری کا پتہ نہ تھا اتفاقاً اس کی نگاہ نیچے گئی اور وہ اُلٹے پاؤں دوڑتی ہوئی کمرے میں جا کر زور سے بولی۔

’’بھیّا انڈے تو نیچے پڑے ہیں بچّے اُڑ گئے۔‘‘

کیشو گھبرا کر اُٹھا اور دوڑتا ہوا باہر آیا۔ دیکھتا ہے کہ تینوں انڈے نیچے ٹوٹے پڑے ہیں۔ پانی کی پیالی بھی ایک طرف ٹوٹی پڑی ہے۔ اس کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ سہمی ہوئی آنکھوں سے زمین کی طرف دیکھنے لگا۔

شیاما نے پوچھا ’’بچّے کہاں اُڑ گئے بھیّا؟‘‘

کیشو نے افسوسناک لہجے میں کہا ’’انڈے تو پھوٹ گئے۔‘‘

شیاما: اور بچّے کہاں گئے؟

کیشو: تیرے سر میں، دیکھتی نہیں ہے انڈوں سے اُجلا اُجلا پانی نکل آیا ہے۔ وہی تو دو چار دن میں بچّے بن جاتے۔

ماں نے سوئی ہاتھ میں لیے ہوئے پوچھا ’’تم دونوں وہاں دھوپ میں کیا کررہے ہو؟‘‘

شیاما نے کہا ’’امّاں جی! چڑیا کے انڈے پڑے ہیں۔‘‘

ماں نے آکر ٹوٹے ہوئے انڈوں کو دیکھا اور غصّے سے بولی:

’’تم لوگوں نے انڈوں کو چھوا ہوگا۔‘‘

اب تو شیاما کو بھیّا پر ذرا بھی ترس نہ آیا۔ اسی نے شاید انڈوں کو اس طرح رکھ دیا کہ وہ نیچے گر پڑے۔ اس کی سزا انھیں ملنی چاہیے۔ ’’انھوں نے انڈوں کو چھیڑا تھا امّاں جی۔‘‘

ماں نے کیشو سے پوچھا ’’کیوں رے کیشو! بھیگی بلّی بنا کھڑا ہے، تو وہاں پہنچا کیسے؟‘‘

شیاما: چوکی پر اسٹول رکھ کر چڑھے تھے امّاں جی۔

کیشو: تو اس کو تھامے نہیں کھڑی تھی؟

شیاما: تم ہی نے تو کہا تھا۔

ماں: تو اتنا بڑا ہوگیا تجھے نہیں معلوم، چھونے سے چڑیا کے انڈے گندے ہوجاتے ہیں ۔ چڑیا پھر اُنھیں نہیں سیتی۔

شیاما نے ڈرتے ڈرتے پوچھا'' تو کیا چڑیا نے انڈے گرائے ہیں ، امّاں جی!''

ماں: اور کیا کرتی؟ کیشو کے سر اس کا پاپ پڑے گا۔ ہاہا! تین جانیں لے لیں دُشٹ نے ۔

کیشو: رونی صورت بنا کر بولا:'' میں نے تو صرف انڈوں کو گدّی پر رکھ دیا تھا امّاں!''

ماں کو ہنسی آ گئی۔ مگر کیشو کو کئی دن تک اپنی غلطی کا افسوس رہا۔ انڈوں کی حفاظت کرنے کے زعم میں اس نے ان کا ستیاناس کرڈالا ۔ اس کو یاد کرکے کبھی کبھی وہ رو پڑتا۔

دونوں چڑیاں پھر وہاں نہ دکھائی دیں۔

(پریم چند)

مشق

• معنی یاد کیجیے:

عالمانہ غرور	:	بڑبولا پن، جان کاری کا گھمنڈ
پیچیدہ	:	الجھا ہوا، مشکل
خواہش	:	طلب، چاہت
تحقیقات	:	چھان بین، جاننا ،معلوم کرنا
قیاس	:	اندازہ
بے تاب	:	بے چین

© NCERT not to be republished

تجویز	:	مشورہ
اُدھیڑ بُن	:	سوچ ، بچار
اعتبار	:	بھروسا
اتفاقاً	:	اچانک
افسوس ناک	:	دکھ بھرا
دُشٹ	:	شریر، بے رحم
زعم	:	غرور

● غور کیجیے:

☆ کوئی بھی کام کرنے سے پہلے خوب سوچ سمجھ لینا چاہیے۔

☆ دوستی سمجھ داری کے ساتھ کرنی چاہیے۔

● سوچیے اور بتائیے:

1۔ گھونسلا دیکھ کر بچّوں کے دل میں کیا خواہش پیدا ہوئی؟

2۔ گھونسلے تک پہنچنے کی کیشو نے کیا ترکیب کی؟

3۔ شیاما کو اپنے بھائی کیشو پر ترس کیوں نہیں آیا؟

4۔ پرندوں کے انڈوں کو کیوں نہیں چھونا چاہیے؟

5۔ گھونسلے سے زمین پر انڈے کس نے گرادیے اور کیوں؟

● نیچے لکھے ہوئے لفظوں سے جملے بنائیے:

اُدھیڑ بُن   انداز ہ   برداشت   یکا یک   ستیاناس

© NCERT not to be republished

• نیچے لکھے ہوئے لفظوں کی مدد سے خالی جگہوں کو بھریے:

بچّے پاپ ٹوٹی دفتر کانپ

1۔ کیشو دل میں .... رہا تھا۔

2۔ پانی کی پیالی بھی ایک طرف...................... پڑی ہے۔

3۔ کیشو کے سر اس کا .... پڑے گا۔

4۔ .... نکل کر پھُر سے اُڑ جائیں گے۔

5۔ بابوجی .... گئے ہوئے تھے۔

• نیچے لکھے ہوئے لفظوں کے واحد اور جمع بنائیے:

سوالات موقع تکلیف خواہش پرندے چیز

• قواعد:

☆ ان جملوں میں آئندہ آنے والے زمانے میں کسی کام کے کیے جانے کے بارے میں بتایا جا رہا ہے۔قواعد کی زبان میں اس آنے والے زمانے کو ''مستقبل'' کہا جاتا ہے۔

1۔ میں اتر آؤں گا تو تجھے دکھادوں گا۔

2۔ بچّے بھوک کے مارے چوں چوں کرکے مرجائیں گے۔

3۔ امّاں جی سے کہہ دوں گی۔

• نیچے لکھے ہوئے لفظوں کے مذکّر اور مونّث لکھیے:

امّاں چڑا بہن بچّہ بلّی

© NCERT not to be republished

• نیچے لکھے ہوئے محاوروں کو جملوں میں استعمال کیجیے:

چہرے کا رنگ اڑ جانا   بھیگی بلّی بننا   پھُر سے اُڑ جانا   دَم روکنا   سُدھ نہ رہنا

• نیچے لکھے ہوئے لفظوں کے متضاد لکھیے:

دھوپ   تکلیف   سزا   پاپ   جواب

• کس نے کس سے کہا؟

☆ ذرا ہمیں دکھا دو بھیّا، کتنے بڑے ہیں؟

☆ جا، دانہ اور پانی کی پیالی لے آ۔

☆ تم لوگوں نے انڈوں کو چھوا ہوگا۔

• عملی کام:

☆ زمانۂ مستقبل کے پانچ جملے لکھیے۔

© NCERT not to be republished

خواجہ حسن نظامی

(1878 – 1955)

خواجہ حسن نظامی دہلی کے ایک معزز خاندان کے فرد تھے۔ ان کا بچپن تنگ دستی میں گزرا لیکن اپنی ذاتی کوششوں سے انھوں نے بہت جلد ترقی کی۔ وہ خواجہ حضرت نظام الدین اولیاؒ کے عاشقوں میں سے تھے۔ اس عشق و محبت کے اثرات ان کی تحریروں میں نمایاں نظر آتے ہیں۔

اردو زبان و ادب میں اُن کا مرتبہ بلند ہے۔ انھیں مصوّرِ فطرت کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ انھوں نے کئی کتابیں لکھیں جن میں 'غدرِ دہلی کے افسانے' اور 'سی پارۂ دل' کافی مشہور ہیں۔

ان کے مضامین کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر نہایت ہی معمولی چیزوں پر لکھے گئے ہیں۔ لیکن خواجہ صاحب نے بات میں سے بات پیدا کر کے ان چھوٹی چھوٹی چیزوں سے جو مطالب نکالے ہیں وہ بڑے سبق آموز ہیں۔ خواجہ صاحب کے لکھنے کا ایک مخصوص انداز ہے۔

© NCERT not to be republished

اوس

برسات کے موسم میں کوئی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے کا خواست گار ہے۔ کسی کو اودی اودی کالی کالی گھٹائیں پسند ہیں۔ کسی کا دل بادلوں کی کڑک اور بجلی کی چمک سے مست ہو جاتا ہے۔ مجھ کو تو برسات کی یہ ادا بھاتی ہے کہ مینہہ برس کر کھل جاتا ہے اور صاف آسمان کی رات گزر جاتی ہے تو صبح کے وقت درختوں، پھولوں اور جنگل کی گھاس کی عجیب شان ہوتی ہے۔ اوس کے قطرے پھولوں کی پتّیوں پر ایسے چُپ چاپ نظر آتے ہیں جیسے رات کو آسمان کے تارے تھے۔ کیا خبر ہے کہ رات کے وقت تارے ٹوٹ پڑے ہوں اور یہ اُنھی کی گُل افشانیاں ہوں۔

کہتے ہیں کہ اوس میں سونا، اوس میں پھرنا جسمِ انسانی کے لیے مضر ہے۔ خبر نہیں یہ کیوں کہتے ہیں۔ خدا کی ساری مخلوق تو ''اوس باری'' سے تر و تازہ اور نہال ہو جاتی ہے۔ تو انسان بھی ایک مخلوق ہے۔ اُس کو اِس سے کیوں کر نقصان پہنچ سکتا ہے؟

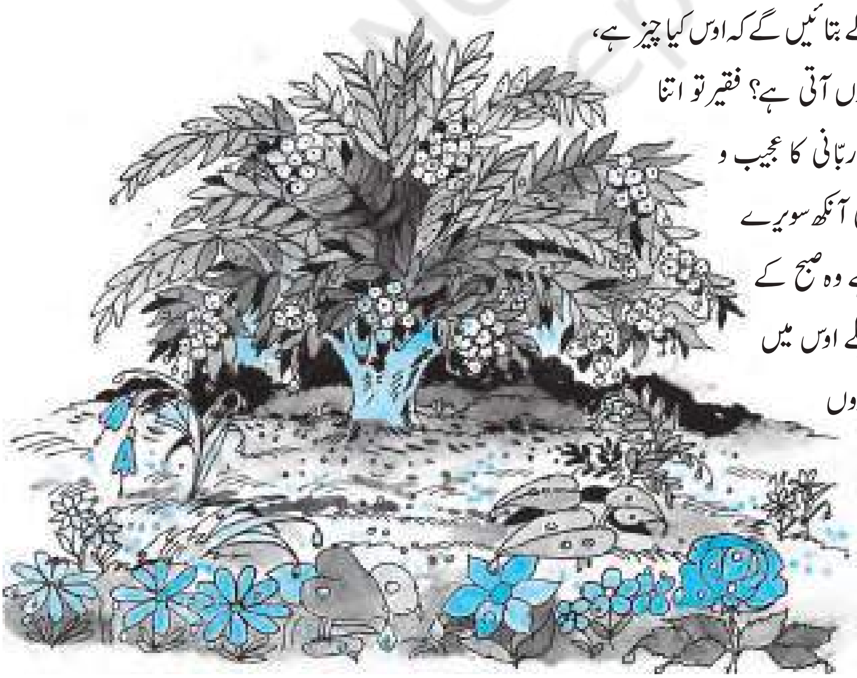

یہ تو سائنس والے بتائیں گے کہ اوس کیا چیز ہے، کہاں سے آتی ہے، کیوں آتی ہے؟ فقیر تو اتنا جانتا ہے کہ اوس قدرتِ ربّانی کا عجیب و غریب جلوہ ہے۔ جن کی آنکھ سویرے بیدار ہونے کی عادی ہے وہ صبح کے وقت سورج نکلنے سے پہلے اوس میں ذاتِ الٰہی کے ہزاروں جلوؤں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ ایک شخص کو دیکھا کہ باغ میں جوہی کے پھولوں کے پاس

جھکا ہوا کچھ دیکھ رہا تھا اور ایسا مستغرق تھا کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہیں تھی۔ درحقیقت جوہی کے پھول پر اوس کا انداز قیامت کا ہوتا ہے۔ چھوٹا پھول، نازک پتّیاں اور اس پر اوس کی ننّھی ننّھی بوندیں، حِس و حرکت کرنے والے دل کے لیے محشر سے کم نہیں۔ اوس کی عمر بہت تھوڑی ہے۔ رات کو پیدا ہوتی ہے اور سورج نکلتے وقت مر جاتی ہے۔ اوس کی سیرابی بارانِ رحمت کی طرح ہر خاص و عام، چھوٹے بڑے، اونچے نیچے کے لیے یکساں مفید ہے۔ مگر مینھ سورج کا مقابلہ کرتا ہے۔ بادلوں کے لشکر لاتا ہے تو آفتاب کو پوشیدہ ہونا پڑتا ہے۔ مگر اوس بے چاری بڑی ڈرپوک صُلح کُل ہے۔ آسمان پر جب سورج کا عمل دخل نہیں رہتا اور بادل بھی اپنے گھروں سے چلے جاتے ہیں اُس وقت یہ نمودار ہوتی ہے اور سورج کے نکلنے کے ساتھ ہی جان دے دیتی ہے۔

انسان اگر یہ شکایت کرے تو حق بجانب ہے کہ اوس تمام در و دیوار کو، شجر و حجر کو تر کر دیتی ہے۔ مگر کسی پیاسی زبان کی تشنگی دور نہیں کر سکتی۔ اُردو زبان میں ایک مَثَل ہے کہ اوس جب پڑتی ہے تو ہاتھی بھیگ جاتا ہے۔ گویا ہاتھی اوس میں نہا لیتا ہے مگر چڑیا کی پیاس نہیں بُجھتی۔ یہ قدرت کا ایک گہرا راز ہے۔ اس میں اوس کی کچھ شکایت نہ کرنی چاہیے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے اوس بھی ایک نشانی ہے، جس کو دیکھ کر دلِ حق پرست میں عرفانِ یزداں کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

(خواجہ حسن نظامی)

مشق

• معنی یاد کیجیے:

اوس باری	:	اوس کا برسنا
خواست گار	:	طلب گار، چاہنے والا
اُودی اُودی	:	ہلکا بیگنی رنگ
مینھ	:	بارش

© NCERT not to be republished

گل افشانیاں	:	پھول بکھیرنا
مُضر	:	نقصان دہ
مخلوق	:	پیدا کی ہوئی چیزیں اور انسان وغیرہ
نہال ہونا	:	خوش ہونا
قدرتِ ربّانی	:	خدا کی قدرت
بیدار ہونا	:	جاگنا
مستغرق	:	ڈوبا ہوا
دنیا و مافیہا	:	دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے
محشر	:	قیامت
سیرابی	:	شادابی
بارانِ رحمت	:	رحمت کی بارش
یکساں	:	ایک جیسا
پوشیدہ	:	چُھپا ہوا
صُلحِ کُل	:	سب سے مل جل کر رہنا، سب سے بنا کر رکھنا
نمودار ہونا	:	ظاہر ہونا
شجر	:	درخت
حق بجانب	:	سچّائی کے ساتھ، حق کی طرف
حجر	:	پتّھر
تشنگی	:	پیاس
دلِ حق پرست	:	خدا پرست دل
عرفانِ یزداں	:	خدا کی پہچان

© NCERT not to be republished

- **غور کیجیے:**

☆ انسان اوس کی طرح قدرت کی پیدا کی ہوئی بہت سی چیزوں سے کام کی باتیں سیکھ سکتا ہے۔

- **سوچیے اور بتائیے:**

1۔ اوس کے قطرے پھولوں کی پتّیوں پر کیسے لگتے ہیں؟
2۔ خدا کی مخلوق کس چیز سے تر و تازہ اور نہال ہوتی ہے؟
3۔ مصنف نے اوس کو قدرت ربّانی کا جلوہ کیوں کہا ہے؟
4۔ اوس کے بارے میں کون سی ضرب المثل مشہور ہے؟

- **نیچے لکھے ہوئے لفظوں کو جملوں میں استعمال کیجیے:**

اوس　　مخلوق　　عجیب و غریب　　عمل دخل　　صُلح کُل

- **نیچے لکھے ہوئے لفظوں کے واحد اور جمع بنائیے:**

جذبات　　مشاہدہ　　جلوے　　خبر　　گھٹائیں　　بوند

- **عملی کام:**

☆ اوس پر پانچ جملے لکھیے۔

© NCERT not to be republished

اختر شیرانی

(1905 – 1948)

محمد داؤد خاں اختر شیرانی راجستھان کے شہر ٹونک میں پیدا ہوئے۔ وہ اردو کے مشہور محقق اور ادیب حافظ محمود خاں شیرانی کے بیٹے تھے۔ ریاست ٹونک کا ماحول نہایت علم پرور اور زبان و ادب کو فروغ دینے والا تھا۔ اختر شیرانی کی پرورش اسی ماحول میں ہوئی۔ انھیں فطرت سے بے پناہ لگاؤ تھا۔ قدرتی مناظر کو انھوں نے خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اختر شیرانی کو رومانی شاعر کہا جاتا ہے۔ ان کی شاعری میں گیتوں جیسی روانی اور نغمگی ہے۔ نظم، گیت اور سانیٹ ان کی پسندیدہ اصناف ہیں۔ ان کی شاعری کا کلّیات شائع ہو چکا ہے۔

اختر شیرانی کی نظموں کا دوسرا اہم موضوع حب الوطنی ہے۔ ان کی نظموں میں اپنی دھرتی اور اس کے حسن کے جلووں کا عکس جھلکتا ہے۔ جنھیں پڑھ کر ایک مانوس فضا کا احساس ہوتا ہے۔ اختر شیرانی مقبول اور باکمال شاعر تھے۔ ان کا انتقال عین جوانی میں ہوا۔

© NCERT not to be republished

ایک دیہاتی لڑکی کا گیت

سنو! یہ کیسی آواز آرہی ہے
کوئی گاؤں کی لڑکی گا رہی ہے

فضا پر، بستیوں پر، جنگلوں پر
دھواں دھار ایک بدلی چھا رہی ہے

چھما چھم مینہہ کی بوندیں پڑ رہی ہیں
کہ ساون کی پَری کچھ گا رہی ہے

ہوا کی سرسراہٹ ہے کہ فطرت
پرانی زندگی دُہرا رہی ہے

یہ گھر سسرال ہوگا شاید اُس کا
جبھی ماں باپ کی یاد آ رہی ہے

جبھی مصروف ہے آہ و فغاں میں
جبھی غمگین لَے میں گا رہی ہے

© NCERT not to be republished

شوالے میں گجر بھی جاگ اٹھا ٹھناٹھن ٹھن کی آواز آرہی ہے
کوئی چڑیا نکل کر گھونسلے سے گھنے جنگل میں منگل گا رہی ہے
کوئی بکری کہیں کرتی ہے میں میں کوئی بچھیا کہیں چِلاّ رہی ہے
مگر ان سب سے بے پروا وہ لڑکی
برابر گیت گائے جارہی ہے

(اخترؔ شیرانی)

© NCERT not to be republished

مشق

- **معنی یاد کیجیے:**

فضا	:	ماحول
غم گین	:	رنجیدہ، اداس
مصروف	:	مشغول
آہ وفغاں کرنا	:	دکھ درد کا اظہار کرنا
گجر	:	گھنٹا
منگل گانا	:	خوشی کے گیت گانا
شِوالہ	:	شِومندر
بچھیا	:	گائے کا مادہ بچّہ

• غور کیجیے:

☆ نظم میں ایک لفظ ''جبھی'' کا استعمال کیا گیا ہے۔ یہ ''جب'' اور ''ہی'' کا مرکّب ہے۔ اسی طرح ''ہی'' کے استعمال سے بننے والے دوسرے الفاظ بھی ہیں۔ مثلاً ''تب'' اور ''ہی'' مل کر ''تبھی'' بنا ہے۔ ''اب'' اور ''ہی'' مل کر ''ابھی'' بنا ہے۔ ''کب'' اور ''ہی'' مل کر ''کبھی'' بنا ہے۔

☆ نظم میں '' آہ و فغاں'' کی ترکیب بھی آئی ہے۔ اس میں دو الفاظ '' آہ'' اور ''فغاں'' کو ملانے کے لیے واؤ کا استعمال کیا گیا ہے۔ یہاں واؤ کے معنی ''اور'' کے ہیں۔ قواعد میں اس ''واؤ'' کو حرفِ عطف کہا جاتا ہے۔

• سوچیے اور بتائیے:

1۔ لڑکی کے گاتے وقت کس طرح کا ماحول تھا؟

2۔ لڑکی غمگین لے میں کیوں گا رہی تھی؟

3۔ لڑکی کن چیزوں سے بے پروا ہو کر گا رہی تھی؟

• عملی کام:

☆ حرفِ عطف ''واؤ'' کے ذریعے دو لفظوں کو ملانے کی کچھ مثالیں لکھیے۔

© NCERT not to be republished

چڑیا گھر کی سَیر

آج اسکول کی چھٹّی تھی۔ حامد کے ابّا کی بھی چھٹّی تھی۔ وہ حامد اور اس کی بہن کو چڑیا گھر دِکھانے لے گئے۔ ٹکٹ لے کر چڑیا گھر میں داخل ہوئے تو حامد نے پوچھا: ''ابّا جان! چڑیا گھر میں اِتنے جانور کہاں سے آتے ہیں؟''

''یہ طرح طرح کے جانور دیس بدیس سے لائے جاتے ہیں'' حامد کے ابّا نے بتایا۔ ''اِن میں کچھ ٹھنڈے ملکوں کے جانور ہیں اور کچھ گرم ملکوں کے۔

''یہ کیا ہے ابّا جان!'' حامد کی بہن نے ایک جانور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''یہ پانڈا ہے'' اُنھوں نے بتایا۔ ''یہ ہمارے ملک کا جانور نہیں ہے۔ ٹھنڈے ملک کا رہنے والا ہے۔ دیکھو اس کے جسم پر کتنے گھنے بال ہیں جو اسے سردی سے بچاتے ہیں۔ گرمیوں میں اسے بہت گرمی لگتی ہے، اس لیے چڑیا گھر میں اس کے پنجرے کو گرمی کے موسم میں ٹھنڈا رکھا جاتا ہے۔ پانڈا پھل، بانس کی ہری پتیاں، نرم گھاس اور سبزیاں شوق سے کھاتا ہے۔ کٹہرے میں بنا

ہوا پنجرہ اس کے رہنے کا گھر ہے۔''

اور آگے چلے تو بلّی کی طرح بیٹھا ہوا ایک بڑا جانور نظر آیا۔ حامد نے پوچھا: ''ابّا اِس کا کیا نام ہے؟''

یہ کنگارو ہے۔ کنگارو بھی غیر ملکی جانور ہے۔ اس کے گھر کو ٹھنڈا رکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کنگارو بڑا ہوتا ہے، اس لیے اس کو لمبے چوڑے اور کھلے کٹہرے میں رکھا گیا ہے۔ اس کی دُم لمبی ہوتی ہے۔ تم کنگارو کے پیٹ پر بنی تھیلی سی دیکھ رہے ہونا! یہ تھیلی بچّے کو رکھنے کے لیے ہوتی ہے۔ اس میں بچّے کو بٹھا کر یہ خوب تیز بھاگ سکتا ہے۔ کنگارو پھل، پتّیاں، سبزیاں اور نرم نرم گھاس کھاتا ہے۔ اس کو گیہوں بہت پسند ہے۔

''اچھّا چلو، آگے چلیں'' آگے بڑھے تو سفید شیر دکھائی دیا۔ حامد کے ابّا نے بتایا: ''یہ سفید شیر ہے۔ یہ ریوا کے جنگل میں پایا جاتا ہے جو کہ مدھیہ پردیش میں ہے۔ دیکھو اس کے رہنے کے لیے کتنی لمبی چوڑی اور اونچی باڑھ باندھی گئی ہے۔ اس میں لمبی لمبی گھاس اور پیڑ ہیں۔ وہ دیکھو تالاب بھی ہے۔ گرمی لگنے پر یہ تالاب میں جا بیٹھتا ہے۔ ایک بڑا سا پنجرہ بھی اس کے لیے بنا ہوا ہے۔ شیر گوشت خور جانور ہے۔ پیٹ بھرنے کے بعد شیر کسی پیڑ کے نیچے آرام سے سو جاتا ہے۔''

''ابّا جان! ذرا اِدھر دیکھیے: وہ بندر کی شکل کا کون سا جانور ہے؟'' حامد کی بہن نے پوچھا۔

''یہ چمپینزی ہے۔ چمپینزی ایک طرح کا بندر ہوتا ہے۔ یہ ہمارے ملک میں نہیں پایا جاتا۔ یہ ٹھنڈے مُلک سے لایا گیا ہے۔ اسے گرمی بہت ستاتی ہے۔ اسی لیے اس کے پنجرے کو ٹھنڈا رکھا جاتا ہے۔ چمپینزی پھل اور سبزیاں کھاتا ہے، گوشت نہیں کھاتا۔ اسے دودھ اور روٹی بھی دی جاتی ہے۔ چمپینزی کو دن میں کئی بار کھانا دیا جاتا ہے۔''

آگے چلے تو دیکھا کہ ایک بندر کٹہرے میں اُچھل کود کر رہا ہے۔ تھوڑی دور پر نقل اُتارتے ہوئے بندر، چھلانگیں مارتے ہوئے ہرن اور چنگھاڑتے ہوئے ہاتھی بھی دکھائی دیے۔ آگے بڑھے تو بارہ سنگھا، چیتل، ریچھ اور زراف بھی نظر آئے۔ طرح طرح کی رنگ برنگی چڑیاں اور طوطے دیکھ کر حامد اور اس کی بہن بہت خوش ہوئے۔ چڑیا گھر سے واپس ہوتے ہوئے حامد نے اپنے ابّا سے پوچھا: ''اگر یہ جانور بیمار ہو جائیں تو کیا کرتے ہیں؟''

انھوں نے کہا: '' ان کے پنجروں اور کٹہروں کو روزانہ صاف کیا جاتا ہے اور سردی گرمی سے بچانے کا انتظام بھی کیا جاتا ہے۔ کھانے میں مناسب غذائیں دی جاتی ہیں اور کبھی کبھی ایسی دوائیں بھی دی جاتی ہیں کہ یہ بیمار نہ پڑیں۔ پھر بھی اگر کوئی جانور بیمار ہو جائے، تو اُسے جانوروں کے اسپتال لے جاتے ہیں اور اُس کا علاج کیا جاتا ہے۔

حامد اور اس کی بہن چھٹی کا پورا لطف اٹھا کر، خوشی خوشی گھر لوٹ آئے۔

© NCERT not to be republished

مشق

معنی یاد کیجیے:

کٹہرا	:	لوہے یا لکڑی کا جنگلا
غیر ملکی	:	باہری ملک کا
گوشت خور	:	گوشت کھانے والا
چنگھاڑ	:	ہاتھی کی آواز
انتظام	:	بندوبست
لطف اٹھانا	:	مزہ لینا

غور کیجیے:

☆ ہمیں اس حقیقت کو جاننا چاہیے کہ جانوروں میں بھی آزادی کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ جس طرح انسان قید میں نہیں رہنا چاہتا۔ اسی طرح جانور بھی آزادی چاہتے ہیں۔

☆ انسان کی طرح جانوروں کو بھی صحت مند رہنے کے لیے مناسب غذا اور سردی اور گرمی سے بچنے کا انتظام ضروری ہے۔

سوچیے اور بتائیے:

1۔ پانڈے کو گھنے بالوں سے کیا فائدہ ہوتا ہے؟

2۔ کنگارو اپنے پیٹ پر بنی تھیلی سے کیا کام لیتا ہے؟

3۔ کنگارو کی غذا کیا ہے؟

© NCERT not to be republished

4۔ پیٹ بھرنے کے بعد شیر کیا کرتا ہے؟

5۔ چمپینزی کو گرمی کیوں ستاتی ہے؟

6۔ حامد اور اس کی بہن نے چڑیا گھر میں کون کون سے جانور دیکھے؟

7۔ جانوروں کو بیماری سے بچانے کے لیے کیا کیا جاتا ہے؟

• نیچے لکھے ہوئے لفظوں کے متضاد لکھیے :

سردی پسند سفید خوش بیمار مناسب

• عملی کام :

☆ اپنے کسی استاد یا بزرگ کے ساتھ چڑیا گھر کی سیر کیجیے۔

☆ اپنی پسند کے کسی جانور کی تصویر بنائیے۔

☆ اس سبق سے پانچ مذکّر اور مونّث الفاظ چھانٹ کر لکھیے۔

© NCERT not to be republished

سورج نرائن مہؔر

(1863 – 1933)

سورج نرائن مہؔر دہلی میں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم پائی۔ بیس سال تک پنجاب کے محکمۂ تعلیمات میں ملازم رہے۔ انھوں نے غزلیں، قصیدے، مثنویاں اور قطعے بھی لکھے لیکن نظم گوئی ان کا خاص میدان ہے۔ انھوں نے انگریزی نظموں کے ترجمے بھی کیے۔ ان کی بیشتر نظمیں اخلاقی موضوع پر ہیں جن میں بچّوں کی نفسیات، عمر اور دل چسپی کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ نظموں کی زبان سادہ اور سلیس ہے۔

© NCERT not to be republished

بہادر بنو

بُرا کام کوئی نہ ہرگز کرو تم — بُری بات ہرگز نہ منہ سے کہو تم
صداقت کے رستے پہ سیدھے چلو تم — کرو عہد تو اس پہ قائم رہو تم
ارے پیارے لڑکو بہادر بنو تم

خطا ہوگئی تو نہ اس کو چھپاؤ — نہ جھوٹے بہانے کبھی تم بناؤ
کہاں چھپتے پھرتے ہو میداں میں آؤ — جو استاد پوچھے وہ سچ سچ بتاؤ
ارے پیارے لڑکو بہادر بنو تم

© NCERT not to be republished

کہو کچھ کسی سے تو لفظوں کو تولو
کبھی گالیوں پر نہ منہ اپنا کھولو
کبھی بھول کر بھی نہ تم جھوٹ بولو
جو میری سنو سیدھے رستے پہ ہولو
ارے پیارے لڑکو بہادر بنو تم

سبق یاد کرنا نہ سمجھو مصیبت
مصیبت کہاں یہ تو ہے عین راحت
نہیں علم سے بڑھ کے دنیا میں نعمت
کرو خوب محنت! کرو خوب محنت
ارے پیارے لڑکو بہادر بنو تم

تمھیں مدرسے کا ہے سب کام کرنا
تمھیں علم کی راہ سے ہے گذرنا
تمھیں امتحاں کا ہے دریا اُترنا
نہ محنت سے ڈرنا ، نہ محنت سے ڈرنا
ارے پیارے لڑکو بہادر بنو تم

(سورج نرائن مہرؔ)

© NCERT not to be republished

مشق

معنی یاد کیجیے:

صداقت	:	سچّائی
خطا	:	غلطی
عہد	:	وعدہ
عین راحت	:	آرام ہی آرام
نعمت	:	دولت، بخشش
دریا اترنا	:	دریا پار کرنا

• غور کیجیے:

☆ اس نظم کے ہر بند میں پانچ پانچ مصرعے ہیں۔ ایسی نظم کو مُخَمَّس کہتے ہیں۔

☆ نظم کے تیسرے بند میں لفظوں کو تولنے کا ذکر آیا ہے۔ اس کے معنی ہیں سوچ سمجھ کر بولنا۔

☆ عام طور پر جسمانی قوّت کے اظہار کو بہادری کہتے ہیں۔ اس نظم میں صداقت، محنت، ایمان داری اور لگن کے ساتھ علم حاصل کرنے کو بہادری کا کام بتایا گیا ہے۔

• سوچیے اور بتائیے:

1۔ نظم کے پہلے بند میں بہادر بننے سے کیا مراد ہے؟

2۔ کسی سے گفتگو کرنے کے کیا آداب ہیں؟

3۔ نظم میں علم کی اہمیت کس طرح ظاہر کی گئی ہے؟

• عملی کام:

☆ اس نظم سے کیا سبق ملتا ہے؟ چند جملوں میں اپنی کاپی میں لکھیے۔

© NCERT not to be republished

ڈاکٹر ذاکر حسین

(1897 – 1969)

ڈاکٹر ذاکر حسین حیدر آباد میں پیدا ہوئے۔ اُن کا تعلق قصبہ قائم گنج، ضلع فرّخ آباد (اُتّر پردیش) کے ایک معزّز پٹھان خاندان سے تھا۔ ان کی ابتدائی تعلیم اسلامیہ اسکول، اٹاوہ (یوپی) میں ہوئی۔ وہ اعلیٰ تعلیم کے لیے علی گڑھ، الہ آباد اور جرمنی تک گئے۔ جرمنی سے انھوں نے پی ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

ڈاکٹر ذاکر حسین کی شخصیت کے کئی اہم پہلو تھے۔ وہ بیک وقت ایک صاحبِ طرز ادیب، ماہرِ تعلیم، قومی رہنما اور سیاست داں تھے۔ وہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے وائس چانسلر رہے۔ انھوں نے صوبہ بہار کے گورنر، نائب صدر اور صدرِ جمہوریۂ ہند کی حیثیت سے ملک وقوم کی غیر معمولی خدمات انجام دیں۔

ذاکر صاحب کا ادبی سفر دنیا کی چند اہم کتابوں کے ترجموں سے شروع ہوا۔ ان ترجموں میں مشہور فلسفی افلاطون کی کتاب ''ریاست'' اور اڈون کینن کی ''سیاسی اقتصادیات'' وغیرہ شامل ہیں۔ انھوں نے جرمنی زبان میں گاندھی جی پر ایک کتاب لکھی۔ بچّوں کی تعلیم و تربیت اور بچّوں کے ادب سے انھیں خصوصی دلچسپی تھی۔ انھوں نے بچّوں کے لیے متعدد مضامین اور کہانیاں لکھیں۔ ''ابّو خاں کی بکری''، ''لومڑی کی چالاکی''، ''مور کا حسن''، ''اونٹ کا ضبط'' اور ''گھوڑے کی نرمی'' وغیرہ ان کی مشہور کہانیاں ہیں۔

© NCERT not to be republished

احسان کا بدلہ احسان

بہت دنوں کا ذکر ہے جب ہر جگہ نیک لوگ بستے تھے اور دغا فریب بہت ہی کم تھا۔ ہندو مسلمان ایک دوسرے کا خیال رکھتے تھے۔ کوئی کسی پر زیادتی نہیں کرتا تھا اور جو جس کا حق ہوتا تھا، اُسے مل جایا کرتا تھا۔ اُن دنوں ایک شہر تھا: عادِل آباد۔ اس عادل آباد میں ایک بہت دولت مند دُکان دار تھا۔ دُور دُور کے ملکوں سے اُس کا لین دین تھا۔ اُس کے پاس ایک گھوڑا تھا جو اُس نے بہت دام دے کر ایک عرب سے خریدا تھا۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ وہ دکان دار تجارت کی غرض سے گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہا تھا کہ بے خیالی میں شہر سے بہت دور نکل گیا اور ایک جنگل میں جا نکلا۔ ابھی یہ اپنی دُھن میں آگے جا ہی رہا تھا کہ پیچھے سے چھے آدمیوں نے اُس پر حملہ کر دیا۔ اُس نے اُن

© NCERT not to be republished

کے دو ایک وار تو خالی دیے، لیکن جب دیکھا کہ وہ چھے ہیں تو سوچا کہ اچھا یہی ہے کہ اِن سے بچ کر نکل چلوں۔ اُس نے گھوڑے کو گھر کی طرف پھیرا، لیکن ڈاکوؤں نے بھی اپنے گھوڑے پیچھے ڈال دیے۔ اب تو عجیب حال تھا۔ سارا جنگل گھوڑوں کی ٹاپوں سے گونج رہا تھا۔ سچ یہ ہے کہ دکان دار کے گھوڑے نے اُسی دن اپنے دام وصول کرادیے۔ کچھ دیر بعد ڈاکوؤں کے گھوڑے پیچھے رہ گئے۔ گھوڑا دکان دار کی جان بچا کر اُسے گھر لے آیا۔

اس روز گھوڑے نے اِتنا زور لگایا کہ اُس کی ٹانگیں بے کار ہوگئیں۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ کچھ دنوں بعد غریب کی آنکھیں بھی جاتی رہیں۔ لیکن دُکان دار کو اپنے وفادار گھوڑے کا احسان یاد تھا۔ چناں چہ اس نے سائیس کو حُکم دیا کہ جب تک گھوڑا جیتا رہے، اُس کو روز صبح و شام چھے سیر دانہ دیا جائے اور اُس سے کوئی کام نہ لیا جائے۔

لیکن سائیس نے اس حکم پر عمل نہ کیا۔ وہ روز بروز گھوڑے کا دانہ کم کرتا گیا۔ یہی نہیں بلکہ ایک روز اُسے اَپاہج اور اندھا سمجھ کر اصطبل سے نکال دیا۔ بے چارہ گھوڑا رات بھر بھوکا پیاسا، بارش اور طوفان میں باہر کھڑا رہا۔ جب صبح ہوئی تو جوں توں کر کے وہاں سے چل دیا۔

اِسی شہر عادل آباد میں ایک بڑی مسجد تھی اور ایک بڑا مندر۔ اُن میں نیک ہندو اور مسلمان آکر اپنے اپنے ڈھنگ سے عبادت کرتے اور خدا کو یاد کرتے تھے۔ مندر اور مسجد کے بیچ ایک بہت اونچا مکان تھا اُس کے بیچ میں ایک بڑا سا کمرا تھا۔ کمرے میں ایک بہت بڑا گھنٹا لٹکا ہوا تھا اور اس میں ایک لمبی سی رسّی بندھی ہوئی تھی۔ اُس گھر کا دروازہ دن رات کھُلا رہتا۔ شہر عادل آباد میں جب کوئی کسی پر ظلم کرتا یا کسی کا مال دَبا لیتا یا کسی کا حق مار لیتا تو وہ اُس گھر میں جاتا، رسّی پکڑ کر کھینچتا۔ یہ گھنٹا اِس زور سے بجتا کہ سارے شہر کو خبر ہوجاتی۔ گھنٹے کے بجتے ہی شہر کے سچّے، نیک دل ہندو مسلمان وہاں آجاتے اور فریادی کی فریاد سُن کر انصاف کرتے۔ اتفاق کی بات کہ اندھا گھوڑا ابھی صبح ہوتے ہوتے اُس گھر کے دروازے پر جا پہنچا۔ دروازے پر کچھ روک ٹوک تو تھی نہیں، گھوڑا سیدھا گھر میں گھُس گیا۔ بیچ میں رسّی تھی۔ یہ غریب مارے بھوک کے ہر چیز پر منھ چلاتا تھا، رسّی جو اُس کے بدن سے لگی تو وہ اُسی کو چبانے لگا۔ رسی جو ذرا کھِنچی تو گھنٹا بجا۔ مسلمان مسجد میں نماز کے لیے جمع تھے۔ پُجاری مندر میں پوجا کر رہے تھے۔ گھنٹا جو بجا تو سب چونک پڑے اور اپنی اپنی عبادت ختم کر کے اُس گھر میں آن کر جمع ہوگئے۔ شہر کے پنچ بھی آگئے۔ پنچوں نے پوچھا: ''یہ اندھا گھوڑا کس کا ہے؟'' لوگوں نے بتایا: ''یہ فلاں تاجر کا ہے۔ اِس گھوڑے نے تاجر کی جان بچائی تھی۔'' پوچھا گیا تو معلوم ہوا کہ تاجر نے اُسے نکال باہر کیا ہے۔ پنچوں نے تاجر کو بُلوایا۔ ایک طرف اندھا گھوڑا تھا، اس کی زبان نہ تھی جو شکایت کرتا۔ دوسری طرف تاجر کھڑا تھا، شرم کے مارے اُس کی آنکھیں جھُکی

تھیں۔ پنچوں نے کہا: ''تم نے اچھا نہیں کیا —— اس گھوڑے نے تمھاری جان بچائی اور تم نے اس کے ساتھ کیا کیا؟ تم آدمی ہو، یہ جانور ہے آدمی سے اچھا تو جانور ہی ہے۔ ہمارے شہر میں ایسا نہیں ہوتا۔ ہر ایک کو اُس کا حق ملتا ہے اور احسان کا بدلہ احسان سمجھا جاتا ہے۔''

تاجر کا چہرہ شرم سے سرخ ہوگیا۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ بڑھ کر اُس نے گھوڑے کی گردن میں ہاتھ ڈال دیا۔ اُس کا منہ چوما اور کہا: ''میرا قصور معاف کر۔'' یہ کہہ کر اُس نے وفادار گھوڑے کو ساتھ لیا اور گھر لے آیا۔ پھر اُس کے لیے ہر طرح کے آرام کا انتظام کر دیا۔

(ڈاکٹر ذاکر حسین)

© NCERT not to be republished

مشق

● معنی یاد کیجیے:

فریب	:	دھوکا
تجارت	:	کاروبار، بیوپار
غرض	:	مقصد، مطلب
سائیس	:	گھوڑے کی دیکھ بھال کرنے والا
اپاہج	:	جسمانی طور پر بے کار، ناکارہ
اصطبل	:	جہاں گھوڑے رکھے جاتے ہیں
تاجر	:	تجارت کرنے والا، کاروباری
احسان	:	نیکی، بھلائی، اچھّا سلوک

غور کیجیے:

☆ کسی کے احسان کو بھولنا نہیں چاہیے۔

☆ احسان بھولنے والے کو بعد میں شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔

سوچیے اور بتائیے:

1۔ ڈاکوؤں نے دکان دار پر کیوں حملہ کیا؟

2۔ دکان دار کو گھوڑے کے دام کس طرح وصول ہوئے؟

3۔ سائیس کے برتاؤ کی وجہ سے گھوڑے کو کیا کیا تکلیفیں اٹھانی پڑیں؟

4۔ اونچے مکان میں گھنٹا کیوں لٹکایا گیا تھا؟

5۔ گھوڑے نے گھنٹہ کس طرح بجایا؟

6۔ تاجر کا چہرہ شرم سے کیوں سرخ ہو گیا؟

نیچے لکھے ہوئے لفظوں سے جملے بنائیے:

وفادار	بے چارہ	حق دار	ظلم	فریادی
احسان	قصور	عبادت	تاجر	

نیچے لکھے ہوئے لفظوں سے خالی جگہوں کو بھریے:

آنکھیں گونج بیچ جانور گھر

1۔ تم آدمی ہو، یہ .... ہے۔

2۔ سارا جنگل گھوڑوں کی ٹاپوں سے .... رہا تھا۔

3۔ اس نے وفادار گھوڑے کو ساتھ لیا اور .... لے آیا۔

© NCERT not to be republished

4۔ کچھ دنوں بعد غریب کی .... جاتی رہیں۔

5۔ مندر اور مسجد کے .... میں ایک اونچا مکان تھا۔

● نیچے لکھے ہوئے لفظوں کے واحد اور جمع لکھیے:

احکام   تاجر   حقوق   مکان   شکایت   احسانات

● قواعد:

☆ گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہا تھا۔

☆ بہت دنوں کا ذکر ہے جب ہر جگہ نیک لوگ بستے تھے۔

☆ معلوم ہوا کہ تاجر نے اسے نکال باہر کیا ہے۔

☆ اوپر دیے گئے جملوں میں جن کاموں کے بارے میں بتایا جا رہا ہے وہ پہلے ہو چکے ہیں یعنی یہ گزرے ہوئے وقت کی باتیں ہیں۔ گزرے ہوئے وقت/زمانہ کو ماضی کہتے ہیں۔

● نیچے لکھے ہوئے محاوروں کو جملوں میں استعمال کیجیے:

حق مارنا   چہرہ شرم سے سرخ ہونا   وار خالی دینا

● نیچے لکھے ہوئے لفظوں کے متضاد لکھیے:

وفادار   نیک   ظلم   آرام   حق

● عملی کام:

☆ اسم کی جگہ استعمال ہونے والے الفاظ کو ''ضمیر'' کہتے ہیں۔ مثلاً اُس، وُہ، تم، میں، ہم وغیرہ اس سبق میں سے پانچ ایسے جملے لکھیے، جن میں کسی ضمیر کا استعمال کیا گیا ہو۔

© NCERT not to be republished

جنگل کی زندگی

جنگل کی زندگی کے متعلق آپ نے بہت سی کہانیاں سُنی ہوں گی۔ آؤ آج آپ کو جنگل کے بارے میں کچھ اور دل چسپ باتیں بتائیں۔

جنگلی جانور اتنے خوں خوار نہیں ہوتے ، جتنا عام طور پر اُنھیں سمجھا جاتا ہے۔ یہ بلا وجہ انسانوں کو نقصان نہیں پہنچاتے۔ البتّہ بھالو اگر اپنے بچّوں کے ساتھ ہو، تو کبھی کبھی بے وجہ حملہ کر بیٹھتا ہے۔ لیکن سچّی بات تو یہ ہے کہ شیر، چیتے، ہاتھی، گینڈے اور دوسرے جنگلی جانوروں سے دور ہی رہنا بہتر ہے۔ کیوں کہ ہم لوگ ان کے طور طریقے نہیں سمجھتے اور ایسی بات کر بیٹھتے ہیں جس سے جانوروں کو ہمارے اوپر غصّہ آجاتا ہے۔ یہ جانور جنگل کے باسی ہیں۔ یہ جس ماحول میں رہتے ہیں ، وہاں خودرَو پیڑ پودے، گھاس پھوس اور جھاڑیاں کثرت سے ہوتی ہیں۔

جنگل میں طرح طرح کے کیڑے مکوڑے، چڑیاں اور جانور پائے جاتے ہیں۔ جنگل میں کوئی نہ کوئی چشمہ، جھیل یا ندی بھی ہوتی ہے۔ تمام جنگل ایک سے نہیں ہوتے بلکہ ہر جنگل کی آب و ہوا اور زمین کی بناوٹ مختلف ہوتی ہے۔ اُسی کے لحاظ سے وہاں کے پیڑ پودے اور جانور ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر شیر صرف ایسے جنگلوں میں ملتا ہے ، جہاں خوب جھاڑیاں ، پیڑ پودے اور شکار کے لیے چھوٹے بڑے جانور ہوتے ہیں۔

ہمارے ملک میں کئی قسم کے جنگل ہیں۔ ہمالیہ اور دوسرے پہاڑی جنگلوں میں طرح طرح کے پیڑ پودے پائے جاتے ہیں۔ مثلاً چیڑ ، دیودار، سال ساگوان وغیرہ۔ ان جنگلوں، میں شیر، تیندوا ، بھالو، طرح طرح کے ہرن ، بندر اور سانپ بھی ہوتے ہیں ۔ میدانی جنگل ہمالیہ کے دامن سے شروع ہوکر وادیوں میں دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ان جنگلوں میں گھنے، اونچے اور چوڑے پتّوں والے درخت جیسے ڈھاک وغیرہ ہوتے

© NCERT not to be republished

ہیں ۔ یہاں پہاڑی علاقوں کی طرح پانی کی اِفراط ہوتی ہے۔ جانور بھی اوپری حصّوں سے آتے جاتے رہتے ہیں۔

ریگستان میں پانی کی کمی ہوتی ہے۔ ان میں صرف وہی پیڑ پودے اور جانور پائے جاتے ہیں جنھیں پانی کی بہت کم ضرورت ہوتی ہے۔ زیادہ تر کانٹے دار، بے پتّی کے پیڑ، پودے ہوتے ہیں۔ جیسے: ناگ پھنی، ببول وغیرہ۔ یہاں اونٹ، ببر شیر، لنگور، سانپ اور گرگٹ جیسے جانور ملتے ہیں۔

زیادہ تر جانوروں کو پودوں سے غذا ملتی ہے ۔ کچھ جانور ایسے بھی ہوتے ہیں جو دوسرے جانوروں کا شکار کرکے اُن کا گوشت کھاتے ہیں، جیسے: شیر، چیتا وغیرہ۔ چرندوں سے یہ فائدہ ہے کہ وہ جنگل کے پیڑ پودوں کو کھاتے رہتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو جنگل اِتنے گھنے ہو جائیں کہ ان میں روشنی، ہوا اور پانی کی کمی ہو جائے اور پیڑ پودے مر جائیں ۔ دوسری طرف اگر درندے نہ ہوں تو چرند اِتنے ہو جائیں گے کہ سارے کا سارا جنگل کھا کر ختم کر دیں گے۔ چڑیاں جنگلوں کے لیے ضروری ہیں، اس لیے کہ اُن کی وجہ سے کیڑے مکوڑے کم ہوتے رہتے ہیں۔ وہ بیجوں کو بھی بکھیرتی ہیں اور اُن کی بیٹ سے جنگل زرخیز ہوتے رہتے ہیں۔ غرض ہر جانور اور ہر پودا جنگل کی زندگی کے لیے اپنی اپنی جگہ پر ضروری ہے۔

کسی زمانے میں ہمارے ملک میں بہت جنگل تھے، مگر اب آبادی کے بڑھنے ، شہروں کے آباد ہونے، کھیتی باڑی اور کارخانوں میں اضافے کی وجہ سے جنگل کٹتے جا رہے ہیں۔ جنگلوں کی وجہ سے آب و ہوا اچھّی رہتی ہے۔ ہوا میں آکسیجن کی کمی نہیں رہتی۔ بارش خوب ہوتی ہے۔ باڑھ کی تیزی کم ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ جنگلوں میں طرح طرح کی جڑی بوٹیاں، عمارتی لکڑی، شہد، گوند، کوئلہ، لاکھ، ربر، کاغذ بنانے کی لکڑی، تارپین کا تیل اور اسی طرح کی بے شمار چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔ یہ وہ ضروری چیزیں ہیں، جن کے بغیر ہماری زندگی مکمل نہیں ہوتی۔ غرض جنگل ہماری زندگی کے لیے بہت ضروری ہیں۔

مشق

• معنی یاد کیجیے:

خوں خوار : چیر پھاڑ کر کھانے والا

© NCERT not to be republished

خودرَو	:	اپنے آپ اُگنے والا
چشمہ	:	زمین سے اُبلنے والا پانی
وادی	:	پہاڑ کے قریب کی زمین جہاں درخت کم اور پانی بہنے کا راستہ ہو
اِفراط	:	زیادتی
زرخیز	:	اُپجاو، وہ زمین جہاں اچھی پیداوار ہوتی ہو
کثرت	:	زیادتی

غور کیجیے:

☆ ماحولیاتی توازن کو قائم رکھنے میں جنگلوں کی بڑی اہمیت ہے۔

☆ جنگلوں کی حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے۔

سوچیے اور بتائیے:

1۔ جنگلی جانوروں سے دور رہنا کیوں بہتر ہے؟

2۔ شیر کس طرح کے جنگلوں میں رہتا ہے؟

3۔ جنگل میں پائے جانے والے مشہور درختوں کے نام بتائیے؟

4۔ جنگل کی زمین کس طرح زرخیز ہوتی رہتی ہے؟

5۔ ناگ پھنی، ببول اور کانٹے دار پیڑ پودے ریگستان میں کیوں زیادہ ہوتے ہیں؟

6۔ اگر جنگل زیادہ گھنے ہوجائیں تو انھیں کیا نقصان ہوسکتا ہے؟

7۔ اگر جنگل نہ ہوتے تو ہمیں کون کون سی چیزیں نہیں ملتیں؟

نیچے لکھے ہوئے لفظوں سے جملے بنائیے:

دل چسپ   خوں خوار   کثرت   طورطریقے   زرخیز

© NCERT not to be republished

• نیچے لکھے ہوئے لفظوں سے خالی جگہوں کو بھریے:

غصّہ	قِسم	جنگلوں	ہمارے	لحاظ

1۔ کسی زمانے میں.................ملک میں بہت جنگل تھے۔
2۔ اسی کے.................سے وہاں کے پیڑ پودے اور جانور ہوتے ہیں۔
3۔ ....کی وجہ سے آب و ہوا اچھّی رہتی ہے۔
4۔ ہمارے ملک میں کئی.................کے جنگل ہیں۔
5۔ جانوروں کو ہمارے اوپر.................آ جاتا ہے۔

• نیچے لکھے ہوئے لفظوں کے واحد اور جمع بنائیے:

جنگل	کہانیاں	جھاڑیاں	پرند	درند

• نیچے لکھے ہوئے لفظوں کے مذکّر اور مونّث لکھیے:

شیر	ہاتھی	بندر	اونٹ	ہرن

• نیچے لکھے ہوئے لفظوں کے متضاد لکھیے:

دل چسپ	نقصان	کثرت	روشنی	آباد

• عملی کام:

☆ اپنے گھر کے آس پاس کچھ پودے لگائیے اور پابندی سے ان کی دیکھ بھال کیجیے۔
☆ جنگل کی اہمیت پر پانچ جملے لکھیے۔

© NCERT not to be republished

بانسری والا

پہلا منظر

(مقام: جرمنی کے ہملن شہر کے میئر کا کمرہ ۔ میئر اور چند آدمی فکر مند بیٹھے ہیں۔ کچھ لوگ آتے ہیں۔)

پہلا آدمی : میئر صاحب! اب تو چوہوں کی شرارت برداشت نہیں ہوتی۔ روئی، اناج، کچھ بھی تو ان سے نہیں بچ پاتا۔

دوسرا آدمی : جناب عالی! صرف کھانے پینے کی چیزیں ہی نہیں، یہ بدمعاش تو کپڑوں کو بھی نہیں چھوڑتے۔ دیکھیے یہ کپڑے۔ (اپنے کپڑے دکھاتا ہے جن کو ایک طرف چبایا ہوا ہے۔)

ایک عورت : جناب عالی! یہی نہیں ، یہ پالنے میں سوئے ہوئے بچّوں کو بھی کاٹ کھاتے ہیں۔ کل رات میرے بچّے کی انگلی ہی کو کاٹ کھایا۔

تیسرا آدمی : جناب! یہ چوہے بڑے ڈھیٹ ہوگئے ہیں۔ نہ بلّی سے ڈرتے ہیں، نہ کُتّے سے ، اِن کا کچھ نہ کچھ انتظام ہونا ہی چاہیے۔

میئر : بھائیو! اپنی طرف سے تو میں بہت کچھ کر رہا ہوں۔ اب آپ لوگ بھی کوئی ترکیب بتائیے۔ میں آپ کی پوری پوری مدد کروں گا۔

(اسی وقت بانسری کی ایک میٹھی آواز سنائی دیتی ہے۔ سب لوگ اسے سننے لگتے ہیں۔ بانسری کی آواز نزدیک آتی جاتی ہے۔ رنگ برنگ کا عجیب سا لباس پہنے ایک آدمی کمرے میں داخل ہوتا ہے۔)

میئر : (بانسری والے سے) کون ہو تم؟ کیا چاہتے ہو؟

بانسری والا : جناب! مجھے لوگ بانسری والا کہتے ہیں۔ (دوسرے آدمیوں کی طرف دیکھ کر) سنا ہے ہملن میں چوہوں کی شرارت بہت بڑھ گئی ہے اور عوام بہت مُصیبت میں ہیں۔ میں آپ کی مشکل حل کرسکتا ہوں۔

میئر: (خوش ہوکر) آہا! تم تو بڑے موقعے پر آ گئے ہو۔ کیا تم واقعی ان چوہوں کو بھگا سکتے ہو؟

دوسرا آدمی : کیا آپ کے پاس چوہے مارنے کی کوئی دوا ہے؟

ایک عورت : بھائی صاحب! کسی نہ کسی طرح ان چوہوں کو ختم کیجیے۔

بانسری والا : میں نے پہلے بھی کئی شہروں سے چوہے بھگائے ہیں۔ آپ کہیں تو آپ کے شہر کے چوہوں کو بھی بھگادوں۔ مگر اس کے لیے میں جو مانگوں، وہی دینا ہوگا۔

میئر: اگر تم چوہوں کو بھگادوگے تو جو کچھ مانگوگے وہی دیا جائے گا۔

بانسری والا : جناب، اس کے لیے آپ کو مجھے ایک ہزار گلڈر دینا ہوگا۔

میئر: بس ایک ہزار، ہم تو تمھیں پچاس ہزار گلڈر دینے کو تیّار ہیں۔

بانسری والا : صرف ایک ہزار گلڈر۔ جناب! مجھے نہ زیادہ چاہیے نہ کم، کہیے قبول ہے؟

میئر: ہاں قبول ہے۔ (لوگوں سے) آپ لوگ کیا کہتے ہیں؟

سب لوگ : منظور ہے! منظور ہے!!

(سب لوگ باہر جاتے ہیں۔ بانسری والا سڑک پر کھڑا ہوجاتا ہے)

© NCERT not to be republished

دوسرا منظر

(بانسری والا ایک دل کش راگ الاپتے ہوئے آہستہ آہستہ چل رہا ہے۔ بانسری کی آواز سنتے ہی مکانوں سے چوہے نکل نکل کر بانسری والے کے پیچھے چلنے لگتے ہیں۔ چھوٹے چوہے، بڑے چوہے، موٹے چوہے، دُبلے چوہے، بھورے چوہے، نر چوہے، مادہ چوہے، سب نکل پڑتے ہیں۔ بانسری والے کے پیچھے چوہوں کی ایک زبردست بھیڑ جمع ہوجاتی ہے۔ شہر کے لوگ تعجّب سے چوہوں کو بانسری والے کے پیچھے جاتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔)

ایک بچّہ : ماں! دیکھو کتنے چوہے ہیں۔ کیا چوہوں کو گانا اچھّا لگتا ہے ماں؟

ماں : لگے یا نہ لگے مگر بانسری والے نے ضرور ان پر جادو کردیا ہے۔

بچّہ : دیکھو، دیکھو ماں! بانسری والا تو ندی کی طرف جارہا ہے۔ کیا وہ چوہوں کو ندی میں ڈُبا دے گا ماں؟

(اس وقت گرجا گھر میں گھنٹے بجنے لگتے ہیں۔ بھاگ گئے چوہے، بھاگ گئے چوہے، چاروں طرف یہ آواز گونج رہی ہے۔ لوگ میئر کو گھیر کر کھڑے ہوجاتے ہیں۔)

چند آدمی : (اونچی آواز سے) ہمارے میئر۔

© NCERT not to be republished

دوسرے لوگ : (زور سے) زندہ باد!

میئر : شکریہ بھائیو! آخر یہ آفت ٹل ہی گئی۔ آپ........................

(بانسری والا آتا ہے)

بانسری والا : جناب، اگر اب........................

میئر: کون ہے یہ، جو میری بات کے بیچ میں بول رہا ہے؟ (اِدھر اُدھر دیکھ کر) آہا! بانسری والا! بھائی، تم نے واقعی کمال کر دیا۔

بانسری والا : جناب، میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ میں چوہوں کو بھگا دوں گا۔ اب آپ مجھے ایک ہزار گلڈر عنایت کیجیے۔

میئر: (تعجب سے) ایک ہزار گلڈر! بہت بڑی رقم ہے یہ تو۔

بانسری والا : لیکن جناب آپ تو وعدہ کر چکے ہیں۔

میئر: بھائی! تم نے کیا ہی کیا ہے؟ تھوڑی دیر تو بانسری بجائی ہے۔ اس کے لیے ایک ہزار گلڈر؟

بانسری والا : جی ہاں، ایک ہزار، نہ ایک کم نہ ایک زیادہ۔

میئر: ہوش کی بات کرو۔ تھوڑی دیر بانسری بجانے کے پچاس گلڈر کافی ہیں۔

بانسری والا : جناب، اچھّا تو یہ ہوگا کہ آپ اپنے وعدے کو پورا کریں۔ نہیں تو........................

میئر: نہیں تو؟

بانسری والا : آپ کو تکلیف اُٹھانا پڑے گی۔ چوہوں کی آفت سے بھی زیادہ تکلیف۔

میئر : (اپنے آپ سے) چوہے تو اب واپس آنے سے رہے (بانسری والے سے) دیکھو جھگڑے کی کوئی بات نہیں۔ پچاس گلڈر لے لو۔

(بانسری والا میئر اور بھیڑ پر ایک نگاہ ڈال کر بانسری بجاتا ہوا ایک طرف چل دیتا ہے۔ شہر کے چھوٹے بڑے سبھی بچّے اس کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔ لوگ حیرت سے دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ بچّوں کے ماں باپ چلاّنے لگتے ہیں۔)

© NCERT not to be republished

تیسرا منظر

ایک بوڑھا : یا خدا! یہ کیا ہو رہا ہے؟

ایک بڑھیا : ارے! وہ تو اُنھیں پہاڑ کے غار میں لیے جا رہا ہے۔ بچاؤ! بچاؤ! ان بچّوں کو۔

ایک عورت : ہائے میرا بیٹا!

دوسری عورت : ہائے میری بیٹی!

تیسری عورت : ارے بچاؤ میرے فرانک کو! لنگڑاتا لنگڑاتا وہ بھی اُن کے پیچھے جا رہا ہے۔ فرانک، او فرانک!

(دوڑ کر فرانک کو پکڑ لاتی ہے)

میئر : (اپنے بال نوچتے ہوئے) ہائے بانسری والے نے ہمارے سارے بچّے پہاڑ کے غار میں بند کر دیے۔ سارے شہر میں صرف ایک ہی بچّہ رہ گیا ہے۔ (لوگوں سے) بھائیو! یہ وعدہ پورا نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔

(روتے چلّاتے سب لوگ اپنے اپنے گھر چلے جاتے ہیں)

(جرمن کہانی سے ترجمہ)

مشق

• معنی یاد کیجیے:

ترکیب	:	طریقہ
مصیبت	:	پریشانی
دل کش	:	دل کو اچھّا لگنے والا
قبول	:	ماننا
عنایت کرنا	:	دینا
غار	:	کھو

• غور کیجیے:

☆ وعدہ ہمیشہ پورا کرنا چاہیے۔ وعدہ خلافی کا انجام اچھّا نہیں ہوتا۔

• سوچیے اور بتائیے:

1۔ لوگ چوہوں کی شرارت سے کیوں تنگ آ گئے تھے؟

2۔ چوہوں کو بھگانے کے لیے کون سی ترکیب نکالی گئی؟

3۔ بانسری والے نے چوہوں کو بھگانے کے لیے کون سی شرط رکھی؟

4۔ بانسری والے نے وعدہ پورا نہ ہونے پر کیا کیا؟

• نیچے لکھے ہوئے لفظوں سے جملے بنائیے:

شرارت　　برداشت　　ترکیب　　غار　　وعدہ　　قبول　　رقم　　حیرانی　　کمال

© NCERT not to be republished

• نیچے لکھے ہوئے لفظوں کی مدد سے خالی جگہوں کو بھریے:

بچّہ　　　کاٹ　　　میٹھی　　　سڑک　　　آفت

1۔ یہ پالنے میں سوئے ہوئے بچوں کو بھی .... کھاتے ہیں۔

2۔ اسی وقت بانسری کی .... آواز سنائی دی۔

3۔ بانسری والا .... پر کھڑا ہوجاتا ہے۔

4۔ شکریہ بھائیو! آخر یہ .... ٹل ہی گئی۔

5۔ سارے شہر میں صرف ایک ہی .... رہ گیا ہے۔

• عملی کام:

☆ اس ڈرامے کا خلاصہ لکھیے۔

© NCERT not to be republished

اسمٰعیل میرٹھی

(1844 – 1917)

محمد اسمٰعیل نام، اسمٰعیل تخلص تھا۔ میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ اس دور کے رواج کے مطابق انھوں نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ میرٹھ کے ایک عالم، رحیم بیگ سے فارسی زبان کی اعلیٰ تعلیم پائی۔ انگریزی زبان میں بھی مہارت حاصل کر کے انجینئرنگ کا کورس پاس کیا۔ قوم کے بچّوں کی تعلیم میں دل چسپی کی وجہ سے انھوں نے معلّمی کا پیشہ اختیار کیا۔ اپنے عہد کے اہم شاعروں مثلاً حالؔی اور شبلؔی کی طرح مولوی اسمٰعیل میرٹھی نے بھی اپنی شاعری کو بڑوں اور بچّوں دونوں کے لیے تعلیم و تربیت کا ذریعہ بنایا اور درسی کتابیں بھی لکھیں۔ انھوں نے سادہ اور سلیس زبان میں اردو سکھانے کے ساتھ ساتھ ان کتابوں میں اخلاقی موضوعات کو اس خوبی سے شامل کیا کہ پڑھنے والے تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کے زیور سے بھی آراستہ ہوسکیں۔ اسمٰعیل میرٹھی نے ایسی نظمیں لکھی ہیں جو صرف بچّوں کے لیے ہیں اور ہر عہد میں ان کی معنویت اور افادیت برقرار رہی ہے۔ ان کا کلام ''کلّیاتِ اسمٰعیل'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

© NCERT not to be republished

ایک پودا اور گھاس

اِتفاقاً ایک پودا اور گھاس
باغ میں دونوں کھڑے ہیں پاس پاس
گھاس کہتی ہے کہ اے میرے رفیق
کیا انوکھا اِس جہاں کا ہے طریق
ہے ہماری اور تمھاری ایک ذات
ایک قدرت سے ہے دونوں کی حیات
مٹّی اور پانی ، ہوا اور روشنی
واسطے دونوں کے یکساں ہے بنی
تجھ پہ لیکن ہے عنایت کی نظر
پھینک دیتے ہیں مجھے جڑ کھود کر

© NCERT not to be republished

کون دیتا ہے مجھے یاں پھیلنے
کھالیا گھوڑے، گدھے یا بَیل نے
تجھ پہ منہ ڈالے جو کوئی جانور
اُس کی لی جاتی ہے ڈنڈے سے خبر
چاہتے ہیں تجھ کو سب کرتے ہیں پیار
کچھ پتہ اس کا بتا اے دوست دار
اس سے پودے نے کہا یوں سر ہلا
گھاس! سب بے جا ہے یہ تیرا گِلا
مجھ میں اور تجھ میں نہیں کچھ بھی تمیز
صرف سایہ اور میوہ ہے عزیز
فائدہ اِک روز مجھ سے پائیں گے
سایے میں بیٹھیں گے اور پھل کھائیں گے
ہے یہاں عزّت کا سہرا اُس کے سر
جس سے پہنچے نفع سب کو بیشتر

(اسمٰعیل میرٹھی)

© NCERT not to be republished

مشق

- **معنی یاد کیجیے:**

اتفاقاً : اتّفاق سے، بغیر ارادے کے

رفیق	:	ساتھی، دوست
طریق	:	طریقہ
حیات	:	زندگی
یکساں	:	ایک جیسا
عنایت	:	مہربانی
دوست دار	:	دوست رکھنے والا
بے جا	:	غلط
گِلہ	:	شکایت
تمیز	:	فرق
عزیز	:	پیارا
نفع	:	فائدہ
بیشتر	:	زیادہ تر، اکثر

● غور کیجیے:

☆ یہ ایک ڈرامائی نظم ہے۔ شاعر نے گھاس اور پودے کو کردار بنا کر ان کی گفتگو کو پیش کیا ہے۔ اسی کو ڈرامائیت کہتے ہیں۔

☆ دنیا میں سب برابر ہیں لیکن عمل اور نتیجے سے وقار یا مرتبے میں زیادتی یا کمی ہو جاتی ہے۔ نظم میں پودے کو زیادہ فائدہ مند بتایا گیا ہے اس لیے گھاس کے مقابلے میں اس کی قدر زیادہ ہے۔

● سوچیے اور بتائیے:

1۔ نظم میں گھاس نے پودے سے کیا کہا؟

2۔ پودے پر عنایت کی نظر ہونے سے کیا مراد ہے؟

3۔ پودے نے گھاس کی شکایت کو بے جا کیوں کہا؟

4۔ دنیا میں عزّت کا سہرا کس کے سر بندھتا ہے؟

© NCERT not to be republished

• عملی کام:

☆ نیچے لکھے ہوئے مصرعوں کو مکمّل کیجیے:

مٹّی اور پانی ....

.... یکساں ہے بنی

.... یوں سر ہلا

گھاس! سب بے جا.......................

☆ نیچے لکھے ہوئے لفظوں کو جملوں میں استعمال کیجیے:

اتفاقاً نفع تمیز بیشتر رفیق

☆ اس نظم سے محاورے چن کر لکھیے۔

© NCERT not to be republished

ریڈ کراس سوسائٹی

جوڑ کا لال نشان آپ نے اکثر دیکھا ہوگا۔ کیا آپ نے کبھی غور کیا کہ یہ نشان کس طرح ڈاکٹروں کے لیے مخصوص ہوگیا۔ یہ بھی جاننا مناسب ہوگا کہ کس طرح کسی ایک شخص کے ذہن میں خدمتِ خلق کا جذبہ ادارے کی شکل میں بدل جاتا ہے۔ اور بڑھتے بڑھتے دنیا کے ہر گوشے میں پھیل جاتا ہے۔ آج ریڈ کراس سوسائٹی صرف علاج کا ادارہ نہیں بلکہ انسانی ہمدردی اور خدمت کا سب سے بڑا عوامی مورچہ بھی ہے۔ آیئے اس سوسائٹی اور اس کے قائم کرنے والے کے بارے میں بعض معلومات حاصل کریں۔

سو سال پہلے کی بات ہے۔ اٹلی کے ایک چھوٹے شہر سلفرینو پر آسٹریا کی طاقت ور فوج کا قبضہ تھا۔ فرانس نے اپنے دوست ممالک کی مدد سے آسٹریا کی فوج پر حملہ کر دیا۔ بڑی خوں ریز لڑائی ہوئی۔ صرف پندرہ گھنٹے کی لڑائی کے نتیجے میں دونوں طرف کے

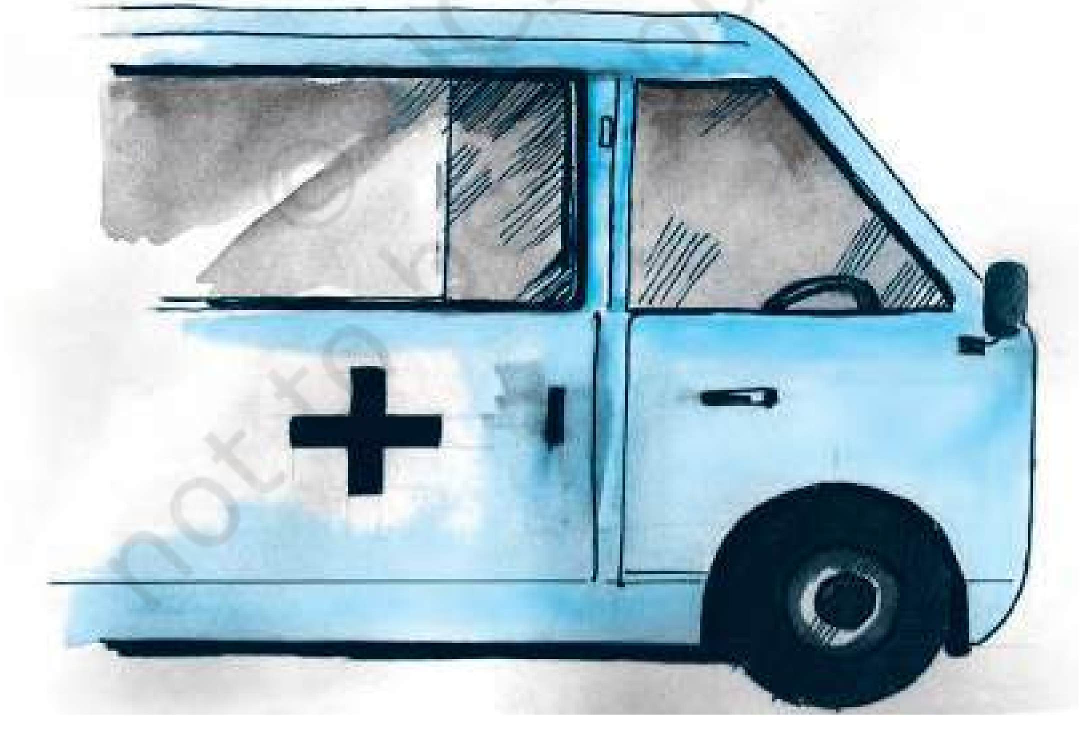

چالیس ہزار سپاہی زخمی ہو چکے تھے۔ پورا میدانِ جنگ لاشوں اور زخمیوں سے اَٹا پڑا تھا۔لڑائی بند ہونے کے بہ ظاہر کوئی آثار نظر نہ آتے تھے۔لیکن بارش اور ہوا کا ایک طوفان آیا اور اس رحمتِ خداوندی نے فریقین کو جنگ بند کرنے پر مجبور کر دیا۔

اُنھی دنوں سلفرینو میں فرانس کے کسی بینک کا ایک عہدے دار جین ہنری ڈونان بھی موجود تھا۔ وہ شہنشاہ فرانس نپولین سے ملنے خاص سلفرینو گیا تھا۔ ڈونان کو الجزائر میں اپنے کیمپوں میں پانی کا معقول بندوبست کرنا تھا۔ اور اسی لیے وہ نپولین سے مل کر خاص سہولتیں حاصل کرنا چاہتا تھا۔لیکن ڈونان نے جب جنگ کی ان تباہ کاریوں کو دیکھا تو وہ اپنا کام بھول بیٹھا۔ ہزاروں سپاہیوں کو خاک وخون میں تڑپتا ہوا دیکھ کر اس کا دل رو پڑا۔ زمین، آب پاشی، بینک اب اسے کوئی چیز یاد نہ رہی۔ اب اس کے سامنے یہی مقصد تھا کہ وہ کسی طرح ان تڑپتے ہوئے زخمی سپاہیوں کی مدد کرے اور اُنھیں موت سے بچائے۔ اسی مقصد کے لیے وہ فوراً سلفرینو کی سمت روانہ ہو گیا۔ وہاں اور اس کے قریب کے گاؤں کے لوگوں سے ملا۔ انھیں انسانیت بھائی چارے کا واسطہ دے کر اس بات پر راضی کیا کہ وہ زخمی سپاہیوں کی خبر گیری کرنے میں اس کا ہاتھ بٹائیں۔ ’’ہم سب بھائی ہیں‘‘۔ ڈونان کے اس نعرے نے آخر لوگوں کے دلوں میں محبت کا جذبہ پیدا کر دیا۔ تین سو افراد اکٹّھا ہوئے۔ بہت سی خواتین نے بھی اس کا ساتھ دیا۔

میدانِ جنگ میں ہزاروں زخمی سپاہی بھوک ، پیاس اور درد کی تکلیف میں کراہتے نیم مردہ پڑے تھے۔ ڈونان کے گروہ نے زخمیوں کی مرہم پٹّی کی اور ابتدائی طبی امداد بہم پہنچائی۔ زخمی سپاہیوں کو اٹھا کر قریب کے دیہاتوں میں لے جایا گیا جہاں ان کا باقاعدہ علاج کیا گیا۔

لڑائی ختم ہو گئی لیکن ڈونان کی بے چینی قائم رہی۔ اس نے جنیوا میں دوبارہ اپنے کاروبار میں دلچسپی لینے کی کوشش کی لیکن زخمی سپاہیوں کا دکھ اور تکلیف وہ نہ بھول سکا۔ اب وہ ایک ایسی باقاعدہ تنظیم کا خواب دیکھنے لگا جو عالمی پیمانے پر زخمی سپاہیوں کی مدد کر سکے۔ 1861 میں اس نے ’’سلفرینو کی یاد میں‘‘ نامی ایک کتابچہ تیار کیا اور اس کی ہزاروں کاپیاں چھپوا کر یوروپ میں تقسیم کروادیں۔ اس کتابچے نے یوروپ میں ایک تہلکہ مچا دیا۔ جنگ کے بھیانک نتائج کو پڑھ کر باشعور طبقہ چونک پڑا اور سبھوں نے ایسی سوسائٹی کی ضرورت محسوس کی جو زخمی سپاہیوں کی مدد کے لیے منظّم طریقے سے کچھ کر سکے۔ ڈونان نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے ایک کمیٹی بنائی۔ اس کمیٹی نے جنیوا میں ایک کانفرنس بلائی۔ ڈونان نے اس کی کامیابی کے لیے انتھک کوشش کی۔ وہ لوگوں سے ملتا۔ انھیں کانفرنس میں شامل ہونے کی دعوت دیتا اور اپنے مقصد میں کامیابی کے لیے ان کی مدد مانگتا۔ اس نے ہزاروں خطوط دنیا بھر میں بھیجے۔ اس کی مخالفت بھی ہوئی لیکن وہ اپنی دُھن کا پکّا تھا۔ آخر اکتوبر 1863 میں کانفرنس ہوئی۔ جس میں سترہ ملکوں کے نمائندوں نے شرکت کی۔ جلسے میں سوسائٹی کے اغراض ومقاصد پر غور کیا گیا۔ اس کے بعد جنیوا کی دوسری میٹنگ میں ایک تجویز

منظور ہوئی۔ ایک عالمی قانون بنایا گیا ۔ آج تک اس قانون کی پابندی ہوتی ہے۔اس طرح ریڈ کراس سوسائٹی وجود میں آئی۔1864 سے ریڈ کراس کے افراد کو اسی نشان سے پہچانا جانے لگا۔

ریڈ کراس سوسائٹی اس طرح اپنے مقصد میں کامیاب ہوئی اور اس کی ترقی ہوتی گئی۔لیکن اس کی کامیابی کے پیچھے ہنری ڈونان کی قربانی کا بڑا ہاتھ ہے۔ ریڈ کراس سوسائٹی کی وجہ سے وہ اپنے کاروبار پر توجہ نہ دے سکا۔ اس کا کاروبار تباہ ہوگیا۔سب سے تکلیف دہ بات تو یہ ہوئی کہ ریڈ کراس سوسائٹی نے اسے کچھ عرصے کے لیے نظر انداز کردیا اور ڈونان کسی نامعلوم جگہ پر چلا گیا۔ پندرہ سال بعد سوسائٹی کا سالانہ اجلاس روم میں ہوا۔ اجلاس جاری تھا کہ صدر کو کسی اسکول کے ایک معلّم کا خط موصول ہوا جس میں ڈونان کا پتہ درج تھا۔سوسائٹی کے افراد نے یہ محسوس کیا کہ ڈونان کو قابلِ عزّت جگہ دی جانی چاہیے۔اسے نوبل پرائز دیا گیا۔لیکن پندرہ سال کے اس عرصے میں اس کی صحت کافی گر چکی تھی۔ وہ دوبارہ صحت یاب نہ ہوسکا۔ آخر 1910 میں اس کا انتقال ہوگیا۔

ریڈ کراس سوسائٹی انسانیت کی خدمت آج بھی اسی طرح کر رہی ہے۔ یہ سوسائٹی دنیا کے ہر ملک میں قائم ہے۔ کہیں سیلاب آجائے ، قدرتی آفات میں انسانی زندگی کا نقصان ہوجائے یا قتل وخون کے واقعات ہوں ہر جگہ ریڈ کراس سوسائٹی کی شاخیں انسانی خدمت کا اعلیٰ ترین نمونہ پیش کرتی ہیں۔

مشق

• معنی یاد کیجیے:

مخصوص	:	خاص
خوں ریز	:	خون بہانے والا
اَٹا پڑنا	:	بھرا ہونا
معقول	:	مناسب
رحمتِ خداوندی	:	خدا کی رحمت

© NCERT not to be republished

تباہ کاری	:	تباہی، بربادی
خاک وخون	:	مٹّی اورخون
آب پاشی	:	سِنچائی
واسطہ دینا	:	دُہائی دینا
خبرگیری	:	دیکھ ریکھ
نیم مردہ	:	اَدھ مرا
ابتدائی طبّی امداد	:	First aid، First medical aid
کتابچہ	:	مختصر کتاب
نتائج	:	نتیجہ کی جمع، پھل
باشعور	:	عقل والا
تنظیم	:	ادارہ،سوسائٹی
منظّم	:	باضابطہ،سلسلے سے
مقاصد	:	مقصد کی جمع
معلّم	:	استاد
تباہ کن	:	تباہ کرنے والا، برباد کرنے والا
موصول ہونا	:	ملنا
صحت یاب	:	بیماری سے اچھا ہونا
آفات	:	آفت کی جمع،مصیبت

● غور کیجیے:

☆ خدمتِ خلق کو اپنی زندگی میں مشن بنالینا بڑا کام ہے۔ ذاتی نقصانات کے باوجود ڈونان نے دنیا کے لیے جونمایاں کام کیے ایسے کاموں کی زیادہ مثال نہیں ملتی۔ ایسے لوگ قابلِ قدر ہوتے ہیں۔

☆ ڈونان نے ایک چھوٹے سے شہر میں جس کام کی بنیاد رکھی ، وہ پوری دنیا میں پھیلا۔ اس کا پیغام آج ہر خاص و عام جانتا ہے۔

© NCERT not to be republished

سوچیے اور بتائیے:

1۔ ہنری ڈونان نپولین سے کس مقصد سے ملنے گیا تھا؟
2۔ ڈونان کو ریڈ کراس سوسائٹی قائم کرنے کا خیال کیوں پیدا ہوا؟
3۔ ریڈ کراس سوسائٹی کے مقاصد کیا ہیں؟
4۔ ڈونان کو کون سا انعام دیا گیا اور کیوں؟

نیچے لکھے ہوئے لفظوں سے جملے بنائیے:

آب پاشی　　نیم مردہ　　خبر گیری　　معلّم　　آفات

نیچے لکھے ہوئے لفظوں کے واحد لکھیے:

معلومات　　ممالک　　نتائج　　افراد　　مقاصد

نقصانات　　خطوط　　خدمات　　آفات

نیچے لکھے ہوئے لفظوں کے متضاد لکھیے:

دکھ　　زندگی　　جنگ　　مردہ　　مخالف　　خوشی

عملی کام:

☆ اپنے علاقے میں موجود ریڈ کراس سوسائٹی کے دفتر میں جا کر اس کے انتظامات کی تفصیل جانیے اور اسے مضمون کی شکل میں لکھیے۔

© NCERT not to be republished

سند باد جہازی کا ایک سفر

کسی زمانے کا ذکر ہے کہ بغداد میں ایک لکڑہارا رہتا تھا۔ وہ ایک دن لکڑیوں کا گٹھّا اٹھائے ایک گلی سے گزر رہا تھا۔ گرمی کے دن تھے۔ سوچا دھوپ سخت ہے کچھ دیر آرام کر لینا چاہیے۔ گٹھّا سر سے اتارا اور دیوار کے سایے میں بیٹھ گیا۔

آرام کرنے کے لیے آنکھیں بند کیں تو کانوں میں ناچ گانے کی سُریلی آوازیں آنے لگیں۔ اس نے سر اٹھا کر بلند عمارت کی طرف دیکھا اور زور سے کہنے لگا: اے خدا! یہ کہاں کا انصاف ہے؟ میں صبح سے شام تک محنت کرتا ہوں پھر بھی پیٹ بھر روٹی نہیں ملتی اور یہ امیر ہے کہ دن بھر آرام کرتا ہے اور روزانہ ہزاروں روپے خرچ کرتا ہے۔

وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ ایک نوکر پھاٹک سے باہر نکلا اور لکڑہارے سے کہنے لگا: ''چلو تمھیں ہمارے سرکار سند باد نے بلایا ہے۔'' لکڑہارا گھبرایا ہوا نوکر کے پیچھے چل پڑا۔ جب محل میں داخل ہوا تو دیکھتا کیا ہے، دسترخوان بچھا ہوا ہے۔ بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کے سامنے طرح طرح کے لذیذ کھانے رکھے ہوئے ہیں۔ سند باد نے لکڑہارے کو اپنے پاس بٹھالیا اور سب کے ساتھ اس کو بھی اچھے اچھّے کھانے کھلائے۔ جب سب لوگ رخصت ہوگئے تو سند باد نے ہنستے ہوئے لکڑہارے سے کہا: دوست میں نے تمھاری باتیں سن لی ہیں لیکن ان کا بُرا نہیں مانا۔ سنو! میں تمھیں سناتا ہوں کہ یہ بے انتہا دولت مجھے کتنی محنت کے بعد ملی ہے۔

© NCERT not to be republished

بچپن سے مجھے دنیا کی سیر و سیاحت اور تجارت کا بہت شوق تھا۔ جب میں بڑا ہوا تو میں نے بہت سا مال خریدا اور سوداگروں کے ایک جہاز پر سوار ہوگیا۔ ہم بہت دنوں تک سمندر میں سفر کرتے رہے اور جزیرہ جزیرہ جاکر اپنا مال فائدے سے بیچتے رہے۔ ایک دن ہم ایک ایسے جزیرے میں پہنچے جہاں آبادی نہیں تھی۔ چاروں طرف جنگل اور سبزہ ہی سبزہ نظر آرہا تھا۔ سب سوداگر جہاز سے اُتر کر سیر کرنے لگے۔ میں بھی ایک طرف چل پڑا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے نیند سی آنے لگی۔ میں سبزہ پر لیٹ گیا اور لیٹتے ہی آنکھ لگ گئی۔ معلوم نہیں کب تک سوتا رہا۔ جب آنکھ کھُلی تو گھبرا کر ساحل کی طرف دوڑا۔ لیکن وہاں جہاز موجود نہ تھا۔ مجھے اس جزیرے میں چھوڑ کر جہاز جا چکا تھا۔

اس جزیرے میں اب میں اکیلا رہ گیا تھا۔ اِدھر اُدھر دیکھا تو ایک سفید گُنبد نظر آیا۔ میں اِس گنبد کی طرف چلا۔ دیکھا کہ کوئی دروازہ ہی نہیں۔ تھوڑی دیر بعد کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بڑا ابر کا ٹکڑا آیا اور اس گنبد پر بیٹھ گیا۔ میں نے کتابوں میں رُخ پرندے اور اس کے انڈے کا ذکر پڑھا تھا۔ سوچا ضرور یہ رُخ پرندہ ہے اور یہ اس کا انڈا ہے۔ میں نے اپنی پگڑی کھولی اور ہمّت کرکے خود کو اس کی ٹانگ سے باندھ لیا۔ رات اسی طرح گزاری ۔ صبح وہ پرندہ اڑا اتنا اونچا کہ زمین نہیں نظر آتی تھی۔ پھر تیزی سے ایک گھاٹی میں اترا۔ میں نے جلدی سے اپنے آپ کو کھول لیا۔

گھاٹی اس قدر گہری تھی کہ اوپر چڑھنا دشوار تھا۔ چاروں طرف اونچے اونچے پہاڑ تھے۔ آخر چلنا شروع کیا۔ راستے میں بہت سے جواہرات پڑے ہوئے نظر آئے۔ میں نے خوشی خوشی انھیں اکٹّھا کرنا شروع کیا۔ یہاں اژدہے بھی تھے جو آدمی کو نِگل جاتے ہیں۔ میں نے ایک چھوٹا غار ڈھونڈا اور اسے صاف کر کے اس کا منہ پتھروں سے بند کردیا اور رات بھر اس میں پناہ لی ۔ جب صبح ہوئی تو غار سے باہر آیا۔ بھوک کے مارے بُری حالت تھی۔ درختوں کے پھل توڑ توڑ کر کھائے اور چشمے کا پانی پیا۔ جب ذرا جان میں جان آئی تو چشمے کے کنارے بیٹھ گیا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ پہاڑوں پر سے گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے گر رہے ہیں اور ان گوشت کے ٹکڑوں کو پرندے اٹھا اٹھا کر گھونسلوں میں لے جا رہے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ ان کے ساتھ زمین پر بکھرے ہوئے جواہرات چپٹے ہوئے ہیں۔ اتنے میں پہاڑوں پر انسانوں کا شور وغُل سنائی دینے لگا اور میں سمجھ گیا کہ ان لوگوں نے جواہرات حاصل کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا ہے۔

مجھے ایک تدبیر سوجھی۔ میں نے بہت سے جواہرات اکٹھا کیے اور ایک گوشت کے ٹکڑے کو اپنی پیٹھ سے باندھ کر لیٹ گیا۔ کچھ دیر بعد ایک بڑا پرندہ گوشت کے لالچ میں میری طرف بڑھا اور گوشت کے اس بڑے ٹکڑے کو جس سے میں نے خود کو باندھ رکھا تھا پنجوں سے پکڑ لیا اور لے اُڑا۔ جب میں نیچے گرا تو لوگ دوڑ کر میرے پاس آئے لیکن مجھے دیکھا تو بہت مایوس ہوگئے۔ میں نے ان سے کہا آپ رنج نہ کریں، میں بہت سے جواہرات اپنے ساتھ باندھ لایا ہوں۔ انھوں نے میری کہانی سنی تو حیران رہ گئے اور اپنے ساتھ جہاز میں بٹھا لیا۔ کچھ دنوں کے سمندری سفر کے بعد میں اپنے وطن پہنچ گیا اور آرام سے زندگی گزارنے لگا۔

اپنے سفر کا حال بیان کرکے سند باد نے لکڑہارے کو روپیوں سے بھری ہوئی ایک تھیلی دی اور کہا۔ ’’محنت کے بغیر انسان کو راحت نصیب نہیں ہوتی۔‘‘

(عربی کہانی سے ترجمہ)

not to be republished © NCERT

مشق

● معنی یاد کیجیے:

سیاحت	:	مختلف مقامات کی سیر کرنا
جزیرہ	:	سمندر سے گھری ہوئی زمین
ساحل	:	دریا کا کنارہ
پناہ لینا	:	جان بچانا
جان میں جان آنا	:	اطمینان ہونا
راحت	:	آرام
تدبیر	:	ترکیب

● غور کیجیے:

☆ اس سبق میں سند باد کے سفر کا بیان ہے۔ سفر کے بیان کو سفر نامہ کہتے ہیں۔

☆ محنت کے بغیر انسان کو راحت نصیب نہیں ہوتی۔

● سوچیے اور بتائیے:

1۔ لکڑہارے نے خدا سے کیا شکایت کی؟

2۔ لکڑہارے نے سند باد کے محل میں کیا دیکھا؟

3۔ سند باد جزیرے پر اکیلا کیوں رہ گیا تھا؟

4۔ لوگ گھاٹی سے جواہرات کیسے حاصل کرتے تھے؟

5۔ رخصت ہوتے وقت سند باد نے لکڑہارے سے کیا کہا؟

© NCERT not to be republished

- **نیچے لکھے ہوئے محاوروں کو جملوں میں استعمال کیجیے:**

آنکھ لگنا　　　جان میں جان آنا

- **نیچے لکھے ہوئے لفظوں سے مذکّر اور مونّث چھانٹ کر لکھیے:**

لکڑہارا　　گلی　　دیوار　　حال　　سبزہ　　جہاز

ہوا　　تھیلی　　سانپ　　غذا　　گنبد　　راحت

مذکّر						
مونّث						

- **عملی کام:**

☆ اپنے کسی سفر کا حال لکھیے۔

© NCERT not to be republished

غلام احمد فرقتؔ کاکوروی

(1910 – 1973)

فرقت کاکوروی کا تعلق ایک علمی گھرانے سے تھا۔ بچپن میں ہی باپ کے سایے سے محروم ہو جانے کی وجہ سے ابتدائی عمر معاشی تنگی میں بسر ہوئی مگر تعلیم حاصل کرنے کا سلسلہ جاری رہا۔ لکھنؤ اور علی گڑھ کی دانش گاہوں سے ایم اے، بی ایڈ کی ڈگریاں حاصل کیں۔ تاریخ کے استاد کے طور پر اینگلو عربک اسکول، دہلی میں تقریباً تیس سال تک درس و تدریس کے پیشے سے وابستہ رہے۔

طنز و مزاح ان کا خاص میدان تھا۔ وہ نثر و نظم دونوں میں یکساں قدرت رکھتے تھے۔ ان کا طرزِ تحریر دل چسپ اور عام فہم ہے۔ ان کا شمار اردو کے مقبول ادیبوں میں ہوتا ہے۔

''کفِ گُل فروشاں''، ''قدِ مچے''، ''نا روا'' ان کے نثری اور شعری مجموعے ہیں۔

© NCERT not to be republished

کہاوتوں کی کہانی

ہم روزمرّہ اپنی آپس کی بول چال میں ایسی کہاوتیں اور محاورے بولتے ہیں جن کا مطلب تو سمجھ لیتے ہیں مگر ہم کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ کہاوتیں اور محاورے کس طرح ہماری زبان میں آئے اور انھیں ہم کب سے بولتے چلے آرہے ہیں۔ تم کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ ان محاوروں اور کہاوتوں میں بعض ایسے ہیں جن کے پیچھے بڑے دل چسپ لطیفے اور قصّے چھپے ہوئے ہیں۔

ہم اپنی روزمرّہ کی گفتگو میں ''وہی مرغے کی ایک ٹانگ'' بولتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ آدمی بس اپنی ہی بات پر اَڑا رہے، چاہے حقیقت اس کے خلاف ہو۔ اس مقولے کے پیچھے جو قصّہ چھُپا ہے، وہ بڑا دل چسپ ہے۔

ایک انگریز کے یہاں ایک خانساماں نے ایک مسلّم مرغ پکا کر اس کی ایک ٹانگ خود کھالی اور ایک اپنے صاحب کے سامنے کھانے کی میز پر رکھ دی۔ صاحب نے ایک ٹانگ دیکھ کر کہا:

''ول خانساماں! اس مرغ کی ایک ٹانگ کہاں ہے۔؟''

''حضور! اس مرغے کی ایک ہی ٹانگ تھی۔'' خانساماں نے جواب دیا۔''

اس پر صاحب کو ہنسی تو آئی مگر وہ خاموش ہوکر برآمدے میں ٹہلنے لگا۔ برآمدے کے سامنے کچھ مرغ اور مرغیاں دانا چُگ رہی تھیں۔ ان میں ایک مرغ اپنا ایک پاؤں سمیٹے دوسرے پاؤں سے کھڑا تھا۔ خانساماں کو اچھا موقع ملا۔ اس نے کہا۔'' دیکھیے صاحب یہ مرغ بھی ایک ہی ٹانگ کا ہے۔''

یہ سُن کر صاحب، مرغ کے پاس گئے اور انھوں نے ''ہُش ہُش'' کیا۔ مرغ نے دوسری ٹانگ بھی نکال دی۔ خانساماں نے یہ دیکھ کر کہا۔'' حضور! کھانا کھاتے وقت سرکار سے بڑی چوک ہوگئی۔ اگر آپ اس پکے ہوئے مرغ کے سامنے '' ہش ہش'' کرتے تو وہ بھی اپنی دوسری ٹانگ نکال لیتا۔''

اُس وقت سے یہ فقرہ ضرب المثل بن گیا۔

اسی طرح ایک دوسری مثل ہے'' اونٹ کس کل بیٹھتا ہے۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ دیکھیے کیا ظہور میں آتا ہے اور کیا انجام ہوتا ہے۔ اس سے متعلق یہ مشہور ہے کہ ایک کمھار اور ایک سبزی فروش نے مل کر ایک اونٹ کرائے پر لیا اور اس کے ایک ایک طرف اپنا سامان لاد دیا۔ راستے میں سبزی بیچنے والے کی ترکاری کو اونٹ گردن موڑ کر کھانے لگا۔ یہ دیکھ کر کمھار مسکراتا رہا۔ جب اونٹ منزل پر پہنچا تو جدھر کمھار کے برتنوں کا بوجھ تھا، اونٹ اسی کروٹ بیٹھا جس سے بہت سے برتن ٹوٹ پھوٹ گئے۔ اُس وقت سبزی بیچنے والے نے کمھار سے ہنس کر کہا۔ ''کیوں گھبراتے ہو، دیکھو اب آئندہ اونٹ کس کل بیٹھتا ہے؟''

ہم اکثر کہتے ہیں'' حضور آپ ہی کی جوتیوں کا صدقہ ہے۔'' یہ فقرہ

© NCERT not to be republished

اس وقت بولتے ہیں جب بہت زیادہ انکساری ظاہر کرنی ہوتی ہے۔ اب اس مقولے سے متعلق جو لطیفہ ہے اسے سن لیجیے۔ ایک مرتبہ ایک مسخرے کو دل لگی سوجھی۔ جھٹ پٹ اس نے چند دوستوں کی دعوت کردی۔ جب وہ لوگ آکر بیٹھ گئے تو اس نے سب کے جوتے لے کر ایک شخص کے حوالے کیے۔ اسے پہلے ہی سے مقرّر کر رکھا تھا۔ وہ شخص سارے جوتے کباڑی بازار میں جاکر بیچ آیا۔ یہ رقم دعوت کے کھانے کی تیاری میں کام آئی۔ جب دسترخوان پر کھانا چُنا گیا تو سب مہمانوں نے مسخرے سے کہا۔'' آپ نے اتنی تکلیف کیوں کی؟ ''مسخرے نے نہایت عاجزی سے کہا۔'' یہ سب آپ ہی کی جوتیوں کا صدقہ ہے۔''

کھانا کھانے کے بعد جب سب لوگ جوتے پہننے کے لیے اٹھے تو جوتے غائب تھے۔ اس پر مسخرے نے کہا۔'' حضور! وہ تو میں آپ سے پہلے ہی عرض کرچکا ہوں کہ یہ سب آپ کی جوتیوں کا صدقہ ہے۔''

ایک اور کہاوت ہے'' اونٹ کے گلے میں بلّی''۔ یہ مقولہ اس وقت بولا جاتا ہے جب انسان کسی مشکل میں پڑ جاتا ہے اور اس سے نکلنے کی فکر کرتا ہے۔ چناں چہ مشہور ہے کہ ایک شخص کا اونٹ کھو گیا۔ جب باوجود انتہائی تلاش کے اونٹ نہ ملا تو اس نے قسم کھائی کہ اگر اونٹ مل جائے گا تو اسے ٹکے کا بیچ دے گا۔ اتفاق سے وہ اونٹ مل گیا۔ اس وقت یہ شخص گھبرا گیا کہ اب تو بہ ہر حال اونٹ کو ایک ٹکے میں بیچنا پڑے گا۔ یہ دیکھ کر ایک آدمی نے اس کو یہ صلاح دی۔'' تم اس کے گلے میں ایک بلّی باندھ دو اور اس طرح آواز لگاؤ کہ ایک ٹکے کا اونٹ ہے اور سو روپے کی بلّی، لیکن یہ دونوں ایک ساتھ بکیں گے۔'' اس شخص نے ایسا ہی کیا جس کے بعد اس کو مصیبت سے نجات مل گئی۔

(غلام احمد فرقتؔ)

© NCERT not to be republished

مشق

• معنی یاد کیجیے:

روزمرّہ	:	بول چال کی زبان
بعض	:	چند
خانساماں	:	کھانا کھلانے والا، ملازم، باورچی
مرغ مسلّم	:	پورا پکا ہوا مرغ
ظہور	:	ظاہر ہونا، سامنے آنا
کمھار	:	مٹّی کے برتن بنانے والا
سبزی فروش	:	سبزی بیچنے والا
فقرہ	:	عبارت کا ٹکڑا، جملہ
ضرب المثل	:	کہاوت
انکساری	:	غرور نہ کرنا، عاجزی
مقولہ	:	قول، بات، کہاوت
مسخرا	:	ہنسانے والا
عاجزی	:	گڑگڑا کر، نرم لہجے میں
صدقہ	:	خیرات، وہ چیز جو خُدا کے نام پر دی جائے
اتّفاق سے	:	اچانک، ایکا ایکی
صلاح	:	مشورہ، رائے
نجات	:	چھٹکارا

© NCERT not to be republished

غور کیجیے:

☆ کہاوتیں زبان کا سرمایہ ہیں۔ روزمرہ زندگی میں ان کا استعمال گفتگو کو دل چسپ بنا دیتا ہے۔

☆ کہاوتیں اپنے آپ بنتی ہیں اور کہاوت کا پورا فقرہ جوں کا توں استعمال ہوتا ہے۔

سوچیے اور بتائیے:

1۔ مقولہ 'وہی مُرغے کی ایک ٹانگ' کا کیا مطلب ہے؟

2۔ مرغ کی دوسری ٹانگ نکلنے پر خانساماں نے صاحب سے کیا کہا؟

3۔ اونٹ کس کل بیٹھتا ہے کا قصّہ کیا ہے؟

4۔ حضور'' آپ کی جوتیوں کا صدقہ ہے۔'' اس مقولے سے متعلق کیا لطیفہ مشہور ہے؟

5۔ 'اونٹ کے گلے میں بلّی' اس مقولے کا استعمال کب کیا جاتا ہے؟

نیچے لکھے ہوئے لفظوں کو جملوں میں استعمال کیجیے:

حیرت حقیقت چوکنا سبزی فروش دعوت

خالی جگہوں کو صحیح لفظوں سے بھریے:

یہ سن کر صاحب................. کے پاس گئے اور انھوں نے .... کیا۔ مرغ نے دوسری .... بھی نکال دی۔................. نے یہ دیکھ کر................. حضور! کھانا کھاتے وقت................. سے بڑی .... ہوگئی۔ اگر آپ اس پکے ہوئے مرغ کے................. ہش ہش کرتے تو وہ بھی اپنی................. ٹانگ نکال لیتا۔

© NCERT not to be republished

• نیچے لکھے ہوئے لفظوں کے واحد بنائیے:

محاورات	مشکلات	امثال	مواقع	اصحاب
تکالیف	لطائف	مطالب	اتفاقات	اوقات

• عملی کام:

☆ اس سبق میں جو کہاوتیں استعمال کی گئی ہیں ان کے علاوہ پانچ کہاوتیں ڈھونڈ کر لکھیے۔

© NCERT not to be republished

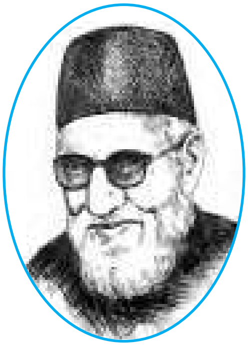

حامد حسن قادری

(1887 – 1964)

مولوی حامد حسن قادری قصبہ بچھراؤں ضلع مراد آباد کے ایک زمین دار خاندان میں پیدا ہوئے۔ بچھراؤں میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدرسہ عالیہ، رام پور میں داخل ہوئے۔ 1909 میں دسویں درجہ کا امتحان پاس کیا۔منشی کے امتحان میں پنجاب یونیورسٹی سے 1910 میں اوّل پوزیشن حاصل کرکے کامیاب ہوئے۔منشی فاضل اور اردو میں خصوصی صلاحیت کے امتحانات 1911 میں لاہور سے پاس کیے۔

مہو چھاونی کے ایک پارسی اسکول میں 1912 میں بحیثیت استاد تقرّر ہوا۔ اگلے سال اسلامیہ ہائی اسکول، اٹاوہ میں درس وتدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ 1913 - 1927 کے دوران حلیم مسلم ہائی اسکول، کان پور کے ہیڈ مولوی کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ سینٹ جانس کالج، آگرہ میں 1927 میں لکچرر مقرر ہوئے اور 1945 میں اسی کالج میں صدر، شعبہ فارسی اور اردو مقرر ہوئے۔ 1954 میں اسی عہدے سے سبکدوش ہوئے۔ موصوف اردو زبان کے ادیب، ناقد، مبصّر، شاعر، مترجم، مؤرخ اور تاریخ گو تھے۔ انھوں نے لگ بھگ 60 کتابیں تصنیف کیں۔ جس زمانے میں وہ کان پور میں مقیم تھے اسی عرصے میں انھوں نے بچّوں کا اردو رسالہ ''سعید'' جاری کیا جو کئی برس تک جاری رہا۔ اس کے علاوہ انھوں نے بچّوں کے لیے بہت سی سبق آموز کہانیاں تصنیف کیں۔ کئی اہم فارسی کی کتابوں کے ترجمے اردو میں شائع کیے۔

موصوف کی نہایت اہم تصنیف ''داستان تاریخِ اردو'' ہے جس میں اردو نثر کی تاریخ ابتدائی دور سے لے کر 1960 تک مع نمونہ نثر دستاویزی حیثیت رکھتی ہے۔

© NCERT not to be republished

چھٹّی کا دن

پیارے بچّو! آج ہے چھٹّی کا دن
خوب کھیلو آج ہے چھٹّی کا دن

تیز ہوجاتے ہیں بچّے کھیل سے
جس طرح گاڑی کے پہیّے تیل سے

ہے ضروری کھیل پڑھنے کے لیے
جیسے پانی پیڑ بڑھنے کے لیے

عِلم سے ہوجاتا ہے روشن دماغ
تیل سے جس طرح جلتا ہے چراغ

کھیل سے بڑھتی ہے صحّت اس طرح
بھاپ سے چلتا ہے انجن جس طرح

علم سے یوں پختہ ہوتا ہے مزاج
جس طرح سورج کی گرمی سے اناج

کھیل سے ہوتا ہے خوش دل اس طرح
پھول کِھل جائیں ہوا سے جس طرح

© NCERT not to be republished

کھیل سے رہتے ہیں بچّے تندرست
ذہن ہوجاتا ہے تیز اور جسم چُست

ہے ضروری علم بھی اورکھیل بھی
ہو نہ ان دونوں سے تم غافل کبھی

وقت جب پڑھنے کا آجائے پڑھو
خُوب کھیلو کھیل کا جب وقت ہو

(حامدؔ حسن قادری)

© NCERT not to be republished

مشق

● معنی یاد کیجیے:

دماغ روشن ہونا	:	عقل تیز ہونا
پختہ	:	پکّا، مضبوط
غافل	:	بے خبر، بے پروا

● غور کیجیے:

☆ علم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ کھیل بھی ضروری ہے۔

● سوچیے اور بتائیے:

1۔ شاعر نے چھُٹّی کے دن کو بچّوں کو کیا مشورہ دیا ہے؟

2۔ کھیل ہمارے لیے کیوں ضروری ہے؟

3۔ علم سے دماغ کس طرح روشن ہوتا ہے؟

4۔ شاعر نے کن چیزوں سے غافل نہ رہنے کو کہا ہے؟

• قواعد:

اس نظم میں کھیل اور علم کے فائدے بتاتے ہوئے شاعر نے دونوں کے لیے مختلف مثالیں پیش کی ہیں جیسے

(1) کھیل سے دل اس طرح خوش ہوتا ہے جیسے پھول کھل جائیں

(2) علم سے دماغ یوں روشن ہوجاتا ہے جیسے تیل سے چراغ۔ ایک چیز کو دوسری چیز کی طرح بتانے کو تشبیہ کہتے ہیں۔

• عملی کام:

کھیل اور علم کے بارے میں جو باتیں اس نظم میں کہی گئی ہیں، انھیں اپنے لفظوں میں لکھیے۔

© NCERT not to be republished

پروفیسر محمد مجیب

(1902 – 1985)

پروفیسر محمد مجیب لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے 1919 میں آکسفورڈ یونیورسٹی، لندن گئے۔ وہاں جدید تاریخ میں بی۔ اے (آنرز) کیا اور فرانسیسی زبان سیکھی۔ برلن جاکر انھوں نے جرمن اور روسی زبانیں سیکھیں۔ ہندوستان واپسی کے بعد جامعہ ملّیہ اسلامیہ، نئی دہلی میں تدریسی اور انتظامی امور سے وابستہ ہوگئے۔ 1948 میں جامعہ کے وائس چانسلر بنائے گئے۔

پروفیسر محمد مجیب کا شمار اردو کے ممتاز نثر نگاروں میں ہوتا ہے۔ وہ مورّخ، ڈراما نگار اور مترجم بھی تھے۔ مجیب صاحب نے آٹھ ڈرامے لکھے جن کے عنوانات 'کھیتی'، 'انجام'، 'خانہ جنگی'، 'حبّہ خاتون'، 'ہیروئن کی تلاش'، 'دوسری شام'، 'آزمائش' اور 'آؤ ڈراما کریں' ہیں۔

پروفیسر محمد مجیب اپنی منصبی ذمے داریوں کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا کام مسلسل کرتے رہے۔ انھوں نے دو سو سے بھی زیادہ مضامین لکھے۔ اردو اور انگریزی میں ان کی تینتالیس (43) کتابیں شائع ہوئیں۔

پیش نظر سبق روسی کہانی سے محمد مجیب کا ترجمہ ہے۔

© NCERT not to be republished

تنکا تھوڑی ہوا سے اُڑ جاتا ہے

ایک عُقاب گھٹاؤں کو چیرتا ہوا ایک اُونچے پہاڑ کی چوٹی پر پہنچا اور چکّر پر چکّر لگا کر صدیوں پُرانے ساگوان کے ایک درخت پر بیٹھ گیا۔ وہاں سے جو منظر دکھائی دے رہا تھا، اُس کی خوب صورتی میں وہ کھو سا گیا اور اُسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے دُنیا ایک سرے سے دوسرے سرے تک تصویر کی طرح سامنے رکھی ہوئی ہے۔ کہیں دریا میدانوں میں بَل کھاتے ہوئے بہہ رہے ہیں۔ کہیں جھیلیں آئینے کی مانند چمک رہی ہیں۔ کہیں پھولوں سے سجے پیڑ پودے جھوم رہے ہیں اور کہیں سمندر غصّے کے عالم میں اپنی پیشانی پر بل ڈالے ہوئے اپنے منہ سے جھاگ اُڑا رہا ہے۔

اے خدا! عُقاب نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا: میں کس طرح تیرا شکر ادا کروں؟ تو نے مجھے پرواز کی ایسی طاقت عطا کی ہے کہ دنیا میں کوئی بلندی نہیں جہاں میری رسائی نہ ہو سکے۔ میں فطرت کے حسین مناظر کا لطف ایسے مقام پر بیٹھ کر اُٹھا سکتا ہوں، جہاں کسی اور کا گزر ممکن نہیں۔ عُقاب اور کچھ کہنا چاہتا تھا کہ نزدیک ہی سے ایک مکڑی بول اُٹھی: اے عقاب! تو آخر کیوں اپنے منہ مٹّھو بنتا ہے؟ کیا میں تجھ سے کچھ کم ہوں؟

اس آواز پر عُقاب چوکنّا ہوا اور ادھر اُدھر نظریں دوڑائیں۔ دیکھتا کیا ہے کہ نزدیک ہی ایک مکڑی بیٹھی جالا تن رہی ہے۔

عقاب نے پوچھا: تو اس سر بہ فلک چوٹی پر کس طرح پہنچی؟ وہ پرندے جو اپنی بلند پروازی پر ناز کرتے ہیں، وہ بھی یہاں تک پہنچنے کا حوصلہ نہیں

© NCERT not to be republished

رکھتے۔ تُو تو مکڑی ہے، پَر بھی نہیں تیرے، جو اُڑ سکے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ تو رینگتی رینگتی یہاں تک آ گئی؟

مکڑی نے جواب دیا: نہیں، میں رینگتی رینگتی یہاں نہیں پہنچی۔

عُقاب: پھر تُو یہاں کیسے آ گئی؟

مکڑی: جب تو اُڑنے لگا، میں تیری دُم سے چِپک گئی۔ اِس طرح تو نے خود مجھے یہاں تک پہنچا دیا لیکن اب میں تیری مدد کے بغیر یہاں تیرے برابر ٹھہر سکتی ہوں۔ تو اکیلا ہی یہاں سر بلند نہیں، میں بھی تیرے ساتھ ہوں۔

اتنے میں ایک طرف سے تیز و تند ہوا کا جھونکا آیا اور مکڑی پہاڑ کی چوٹی سے زمین پر آ رہی۔ عُقاب اپنی جگہ بیٹھا رہا۔

دُنیا میں ایسے آدمی بھی ہیں جو مکڑی کی خَصلت کے ہوتے ہیں۔ اور اپنے کسی ہنر یا اپنی کسی قابلیت کے بغیر کسی بڑی شخصیت سے چمٹ کر سماج میں اپنا مقام پیدا کر لیتے اور سینہ پھُلا کر ایسا چلتے ہیں گویا اُنھوں نے اپنے ذاتی جوہر کی وجہ سے یہ مقام حاصل کیا ہے۔ غرور ان کی عقل پر پردہ ڈال دیتا ہے اور وہ نہیں جانتے کہ جس طرح مکڑی ہوا کے ایک جھونکے کی تاب نہ لا سکی، وہ بھی دنیا کی آزمائشوں کے مقابلے میں اپنا مقام کھو سکتے ہیں۔

(روسی کہانی سے ترجمہ)

محمد مجیب

مشق

• معنی یاد کیجیے:

عُقاب	:	ایک طاقت ور اور بلند پرواز شکاری پرندہ
پرواز	:	اڑان
رسائی	:	پہنچ

© NCERT not to be republished

سر بہ فلک	:	بہت اونچا
خصلت	:	عادت
جوہر	:	خوبی، کمال

• غور کیجیے:

☆ غرور کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔غرور کرنے والے کو ندامت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

• سوچیے اور بتائیے:

1۔ ساگوان کے درخت پر بیٹھ کر عُقاب نے کیا سوچا؟

2۔ عُقاب نے آسمان کی طرف دیکھ کر خدا سے کیا کہا؟

3۔ مکڑی پہاڑ کی بلندی تک کس طرح پہنچی؟

4۔ مکڑی کا انجام کیا ہوا؟

5۔ اس کہانی سے آپ کو کیا سبق ملتا ہے؟

• نیچے لکھے ہوئے لفظوں سے خالی جگہوں کو بھریے:

سر بہ فلک　　آسمان　　جھونکا　　ساگوان　　غرور

1۔ صدیوں پرانے .... کے ایک درخت پر بیٹھ گیا۔

2۔ عقاب نے .... کی طرف دیکھ کر کہا۔

3۔ تو اس .... چوٹی پر کس طرح پہنچی۔

4۔ اتنے میں ایک طرف سے تیز و تند ہوا کا .... آیا۔

5۔ .... ان کی عقل پر پردہ ڈال دیتا ہے۔

© NCERT not to be republished

● نیچے لکھے ہوئے لفظوں کے متضاد لکھیے :

خوب صورت   پرانا   طاقت   نزدیک   بلندی

● نیچے لکھے ہوئے محاوروں کے معنی لکھیے :

1 ۔ اپنے مُنہ میاں مٹھّو بننا۔

2 ۔ عقل پر پردہ ڈالنا۔

3۔ تاب نہ لانا۔

4۔ سینہ پھُلانا۔

● عملی کام:

☆ اس سبق کے آخری پیراگراف کا مفہوم اپنے لفظوں میں لکھیے۔

© NCERT not to be republished

کبیر

(1456 – 1575)

کبیر کی پیدائش اُتّر پردیش کے ایک چھوٹے سے گاؤں مگہر میں ہوئی۔ وہ ایک مسلمان بُنکر کے گھر میں پلے پڑھے۔ پڑھنا لکھنا نہیں سیکھ سکے لیکن بے حد سمجھ دار آدمی تھے۔ وہ سوامی رامانند اور صوفی شیخ تقی سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔

کبیر انسانیت اور بھلائی کے شاعر تھے۔ وہ سارے انسانوں کو خدا کا کُنبہ مانتے تھے۔ مذہبوں کی ایکتا میں یقین رکھتے تھے اور ساری دنیا کے لیے خیر کی دعائیں مانگتے تھے۔ ذات پات کی تفریق، غلط رسم و رواج اور توہم پرستی کے مخالف تھے۔

'بیجک' ان کی شاعری کا مجموعہ ہے جس کے تین حصّے 'رمینی'، 'سبَد' اور 'ساکھی' ناموں سے مشہور ہیں۔ ان کی شاعری اودھی، بھوج پوری، برج اور کھڑی بولی سے ملی جُلی عام فہم زبان میں ہے۔ اُن کی بات دل سے نکلتی اور دلوں پر اثر کرتی ہے۔ ان کا کلام اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں مقبول ہے۔ ان کے کئی دوہے ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ کبیر نے کافی لمبی عمر پائی۔

© NCERT not to be republished

دوہے

بڑا ہوا تو کیا ہوا جیسے پیڑ کھجور
پنچھی کو چھایا نہیں پھل لاگے اتی دوٗر

ماکھی گُڑ میں گڑی رہے پنکھ رہے لپٹائے
ہاتھ مَلے اور سَر دُھنے لالچ بُری بلائے

© NCERT not to be republished

ماٹی کہے کمھار سے تو کیا روندے موہے
اک دن ایسا آئے گا میں روندوں گی توہے

کبیؔرا کھڑا بجار میں لیے لُکاٹی ہاتھ
جو گھر جارے آپنا چلے ہمارے ساتھ

(کبیؔر)

مشق

• معنی یاد کیجیے:

پنتھی	:	مسافر، راہی
اتی	:	بہت
ماٹی	:	مٹّی
لُکاٹی	:	لکڑی ، لاٹھی
جارے	:	جلائے
آپنا	:	اپنا

• غور کیجیے:

☆ دوہا ہندوستانی شاعری کی ایک مشہور صنف ہے۔ اس میں دو مصرعے ہوتے ہیں۔ دونوں مصرعے ایک خاص وزن میں کہے جاتے ہیں اور ہم قافیہ ہوتے ہیں۔

☆ دوہے کے مشہور شاعروں میں امیر خسرؔو ، کبیؔر، عبدالرحیم خانِ خاناں اور جمیل الدین عاؔلی وغیرہ کے نام شامل ہیں۔ آج کل اردو کے نئے شعرا بھی دوہے لکھ رہے ہیں۔

© NCERT not to be republished

• سوچیے اور بتایئے:

1۔ پہلے دوہے میں کبیؔر نے کیا بات کہی ہے؟

2۔ لالچ کرنے سے مکھّی کو کیا سزا ملی؟

3۔ ماٹی نے کمھار سے کیا کہا؟

4۔ آخری دوہے میں کبیر نے کیا مشورہ دیا ہے؟

• عملی کام:

☆ نئے شاعروں کے دوہے تلاش کرکے پڑھیے اور انھیں یاد کرکے اپنی کاپی میں لکھیے۔

© NCERT not to be republished

مصنوعی سیّارہ

اگر آپ کو ڈاک ٹکٹ جمع کرنے کا شوق ہے تو آپ نے وہ ٹکٹ ضرور حاصل کرلیا ہوگا جسے بھارت سرکار نے 19 اپریل 1975 کو جاری کیا تھا۔ اس ٹکٹ کے آدھے حصّے میں زمین کا کنارہ دکھایا گیا ہے۔ پیچھے گہرا نیلا آسمان ہے۔ بیچ میں ہلکے آسمانی رنگ کا نگینے جیسا ایک مصنوعی سیّارہ ہے۔ دائیں طرف ہندی اور انگریزی میں ’’ آریہ بھٹ 1975 ‘‘ لکھا ہے۔ ایسے ٹکٹوں کو یادگاری ٹکٹ کہتے ہیں۔ یہ آریہ بھٹ کے خلا میں بھیجے جانے کے موقع پر جاری کیا گیا تھا۔

’آریہ بھٹ‘ ہمارے ملک ہندوستان کا پہلا مصنوعی سیّارہ تھا جو 19 اپریل 1975 کو خلا میں بھیجا گیا تھا۔ اس مصنوعی سیّارے کا نام قدیم ہندوستان کے مشہور ریاضی داں آریہ بھٹ کے نام پر رکھا گیا ہے۔

ہندوستان سے پہلے روس، امریکہ، برطانیہ، کناڈا، اٹلی، فرانس، آسٹریلیا، مغربی جرمنی، چین اور جاپان اپنے مصنوعی سیّارے خلا میں بھیج چکے تھے۔ ہندوستان گیارھواں ملک ہے جس نے مصنوعی سیّارہ خلا میں بھیجا۔

کم لوگ جانتے ہیں کہ مصنوعی سیّارہ کسے کہتے ہیں؟ یہ کیسے اور کیوں اڑایا جاتا ہے؟ ہمارے عہد میں سائنس کی مدد سے جو بڑی بڑی ایجادیں ہوئی ہیں اُن میں سے ایک اہم ایجاد مصنوعی سیّارہ بھی ہے۔ مصنوعی سیّارہ دھات کا بنا ہوا ایک طرح کا دو یا تین منزلہ مکان ہوتا ہے۔ اس میں مختلف کاموں کے لیے سائنسی آلات لگائے جاتے ہیں۔ اِسے زمین کی قوّتِ کشش کے اصولوں کی روشنی میں بنایا گیا ہے۔

مصنوعی سیّارے کو راکٹ کی مدد سے خلا میں بھیجا جاتا ہے۔ راکٹ آتش بازی کی ”ہوائی“ جیسا ہوتا ہے اور اُسی طرح کام بھی کرتا ہے۔ مصنوعی سیّارے کو خلا میں بھیجنے کے لیے دو یا تین منزلہ راکٹ استعمال کیے جاتے ہیں۔ جب پہلی منزل کا ایندھن ختم ہوجاتا ہے تو وہ کٹ کر گر جاتی ہے اور دوسری منزل اپنا کام شروع کر دیتی ہے۔ راکٹ کے ایندھن میں اتنی توانائی ہوتی ہے کہ وہ مصنوعی سیّارے کو زمینی کشش کی حد سے باہر خلا میں پہنچا دیتا ہے پھر زمینی مرکز سے سائنس داں اِسے خلا میں مناسب جگہ پر نصب کر دیتے ہیں۔

مصنوعی سیّارہ ایک نہایت مفید ایجاد ہے۔ اس میں لگائے گئے طاقت ور کیمروں کی مدد سے زمین کو ہر طرف سے دیکھا جاسکتا ہے اور صحیح نقشہ بنایا جاسکتا ہے۔ مصنوعی سیّارے کی مدد سے دنیا کے مختلف حصّوں میں موسم کے بدلتے ہوئے حالات کا پہلے سے اندازہ ہو جاتا ہے۔ اس کی مدد سے سمندری طوفانوں کی پیشین گوئی کرنا آسان ہوگیا ہے۔ ساتھ ہی زمین کے اندر آتش فشاں اور زلزلے کے مرکز کا علم بھی ہوجاتا ہے۔

مصنوعی سیّارے میں لگے ہوئے پیغام رسانی کے آلات کی مدد سے ریڈیو اور ٹیلی فون کا نظام بہت بہتر ہوگیا ہے۔ اب آوازوں کے ساتھ ساتھ دنیا کے کسی بھی حصّے کی تصویریں، وہاں کے حالات اور واقعات کو پلک جھپکتے دنیا کے گوشے گوشے میں دیکھا اور دِکھایا جاسکتا ہے۔ ٹیلی ویژن کی شکل میں یہ سہولت ہمیں مصنوعی سیّارے کے ذریعے ہی حاصل ہوئی ہے۔ اس ایجاد نے دنیا کے سارے ملکوں کو اس طرح جوڑ دیا ہے کہ ساری دنیا ایک گاؤں معلوم ہونے لگی ہے۔

© NCERT not to be republished

مشق

• معنی یاد کیجیے:

مصنوعی سیّارہ	:	بناوٹی ستارہ
ریاضی داں	:	حساب جاننے والا
خلا	:	خالی جگہ، زمین سے اوپر کا وہ خطّہ جہاں زمین کی کشش نہ ہو
آلات	:	مشین، پُرزے
کششِ زمین	:	زمین کی کشش جو ہر شے کو اپنی طرف کھینچتی ہے
توانائی	:	قوّت، حرارت
مرکز	:	کسی چیز کے درمیان کی جگہ
نصب کرنا	:	کھڑا کرنا، لگانا، قائم کرنا
پیشین گوئی	:	کسی بات کی پہلے سے خبر دینا
آتش فشاں	:	آگ اگلنے والی جگہ
پیغام رسانی	:	پیغام پہنچانا
نظام	:	بندوبست
گوشہ	:	حصّہ، جگہ

• غور کیجیے:

☆ مصنوعی سیّارہ موجودہ زمانے کی ایک اہم سائنسی ایجاد ہے جس نے دنیا کو ایک گاؤں میں تبدیل کر دیا ہے۔

© NCERT not to be republished

سوچیے اور بتائیے:

1۔ 19 اپریل 1975 کو جاری کیے گئے ٹکٹ کی کیا خصوصیات ہیں؟

2۔ ہندوستان کے پہلے مصنوعی سیّارے کا کیا نام ہے؟

3۔ آریہ بھٹ کون تھے؟

4۔ ہندوستان سے پہلے کن ملکوں نے خلا میں مصنوعی سیّارے بھیجے؟

5۔ مصنوعی سیّارے کے کیا فائدے ہیں؟

6۔ ساری دنیا ایک گاؤں میں کیسے تبدیل ہوگئی ہے؟

عملی کام:

☆ مصنوعی سیّارے سے متعلق پانچ جملے لکھیے۔

© NCERT not to be republished

حامد اللہ افسؔر میرٹھی

(1898 - 1974)

حامد اللہ افسؔر میرٹھی میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ 1930 میں میرٹھ کالج میرٹھ سے بی۔ اے کیا۔ پھر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ایل۔ ایل۔ بی کے لیے داخل ہوئے۔ اسی دوران جُبلی کالج، لکھنؤ میں اردو کے استاد مقرّر ہوئے اور ترقّی پا کر وہیں وائس پرنسپل بنائے گئے۔ 1950 میں وہاں سے سبک دوش ہوئے۔ ان کا انتقال لکھنؤ میں ہوا۔

انھوں نے بچّوں کے لیے اسمٰعیلؔ میرٹھی کی طرح چھوٹی چھوٹی نظمیں لکھی ہیں۔ بچے ان کی نظمیں دل چسپی سے پڑھتے ہیں۔ ان کی زبان سادہ اور عام فہم ہوتی ہے۔ انھوں نے بچّوں کے لیے سولہ کتابیں لکھی ہیں جن میں سے 'آسمان کا ہم سایہ'، 'لوہے کی چپّل'، 'درسی کتب'، 'پیامِ روح' اور 'نقد الادب' بہت مقبول ہیں۔

© NCERT not to be republished

بہار کے دن

آیا ہے بَہار کا زمانہ
کلیوں کے نکھار کا زمانہ

کلیاں کیا کیا چٹک رہی ہیں
ساری رَوِشیں مہک رہی ہیں

ہلکی ہلکی یہ ان کی خوش بو
پھیلی ہوئی ہے چمن میں ہر سو

چڑیاں گاتی ہیں گیت پیارے
سنتے ہیں چمن میں پھول سارے

شاخوں کا بنا لیا ہے جھوُلا
پھولوں سے لدا ہوا ہے جھوُلا

کونپل ہر اک ہے کیسی پیاری
سبزی میں جھلک رہی ہے سرخی

کتنی راحت فزا ہَوا ہے
گویا جنّت کا در کھُلا ہے

© NCERT not to be republished

خوش خوش ہر ایک آدمی ہے
یہ صبح کا دل فریب منظر
یہ رات کو چاندنی کا عالم
کیسی دل چسپ چاندنی ہے
ہر دل میں اُمنگ کس قدر ہے

ہر شے میں بلا کی دلکشی ہے
یہ شام کا حُسن، روح پرور
اللہ رے بے خودی کا عالم
چادر اک نور کی تنی ہے
سب پر ہی بہار کا اثر ہے

(حامد اللہ افسؔر میرٹھی)

مشق

● معنی یاد کیجیے:

روش	:	باغ میں کیاریوں کے درمیان کا راستہ
ہر سُوٗ	:	ہر طرف
راحت فزا	:	خوش کرنے والی، خوشی کو بڑھانے والی
گویا	:	جیسے
بلا کی	:	غضب کی، بہت
دل فریب	:	دل کو اچھّا لگنے والا
روح پرور	:	روح کو خوش کرنے والا
عالَم	:	کیفیت، منظر
بے خودی	:	مستی

© NCERT not to be republished

• غور کیجیے:

☆ اس نظم میں ہر شعر کے قافیے بدل جاتے ہیں، قافیہ شعر کے آخر میں آنے والے ان لفظوں کو کہتے ہیں جن کی آوازیں یکساں ہوتی ہیں ۔جیسے بہار / نکھار، چٹک / مہک، خوش بو / ہر سو، وغیرہ

• سوچیے اور بتائیے:

1۔ بہار کے زمانے میں باغ کا منظر کیسا ہوتا ہے؟

2۔ آدمی پر بہار کا کیا اثر ہوتا ہے؟

3۔ بہار کی صبح ، شام اور رات کیسی ہوتی ہے؟

• قواعد:

نظم کے یہ مصرعے پڑھیے

1۔ شاخوں کا بنالیا ہے جھوٗلا

2۔ چادر ایک نور کی تنی ہے

ان مصرعوں میں ''شاخوں'' کو جھولے سے اور ''نور'' کو چادر سے تشبیہ دی گئی ہے۔

• عملی کام:

☆ اس نظم کے پانچ شعر زبانی یاد کر کے استاد کو سنائیے۔

© NCERT not to be republished

گاؤں پنچایت

کسی زمانے میں ہمارے ملک میں گاؤں کا انتظام گاؤں والوں کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔گاؤں کی حفاظت، صفائی، کھیتی، تعلیم کا بندوبست گاؤں والے خود کرلیا کرتے تھے۔ جب انگریزوں کی حکومت آئی تو گاؤں کا انتظام سرکار نے اپنے ذمّے لے لیا۔

مہاتما گاندھی چاہتے تھے کہ گاؤں کے انتظام میں گاؤں والوں کا پورا ہاتھ ہو۔ اس لیے آزادی کے بعد ہماری سرکار نے گاؤں کی طرف دھیان دیا۔ ہماری ریاستوں میں پنچایت راج قانون بنایا گیا،جس سے گاؤں والوں کو یہ اختیار مل گیا کہ وہ اپنے گاؤں کا انتظام خود کریں۔

اس قانون کے مطابق ہر اس گاؤں میں گاؤں سبھا بنائی جاتی ہے جس کی آبادی ڈھائی سو یا اس سے زیادہ ہو۔گاؤں سبھا کی ہر سال دو بیٹھکیں ہوتی ہیں۔ایک خریف میں اور ایک ربیع میں۔خریف میں گاؤں سبھا آئندہ سال کا بجٹ منظور کرتی ہے اور ربیع کی بیٹھک میں پچھلے سال کے حساب کی جانچ کرتی ہے۔

not to be republished © NCERT

گاؤں سبھا اپنے ممبروں میں سے پردھان اور گرام پنچایت کا چناؤ کرتی ہے۔ اس انتظامیہ کمیٹی کا نام ''گاؤں پنچایت'' ہے۔ اس میں پندرہ سے تیس ممبر تک ہوتے ہیں۔ ان ممبروں کا چناؤ پانچ سال کے لیے ہوتا ہے۔ گاؤں پنچایت کے ممبر ہر سال اپنا ایک ''اُپ پردھان'' چنتے ہیں۔ اگر گاؤں سبھا کسی وقت یہ دیکھے کہ پردھان اور اُپ پردھان اس کی ہدایتوں کے مطابق کام نہیں کر رہے ہیں تو اسے یہ اختیار بھی رہتا ہے کہ اُنھیں ان کے عہدوں سے ہٹا دے۔

گاؤں سبھا کا پردھان ہی گاؤں پنچایت کی بیٹھکوں کی صدارت کرتا ہے۔ پردھان اور اُپ پردھان کے علاوہ گاؤں پنچایت کا ایک سکریٹری بھی ہوتا ہے جسے سرکار مقرّر کرتی ہے۔ یہی گاؤں پنچایت، گاؤں سبھا کی نگرانی میں گاؤں کا انتظام کرتی ہے۔ گاؤں میں اسکول، ریڈنگ روم اور کتب خانے کھولنا، علاج اور صفائی کا انتظام کرنا، کھیتی اور دست کاری کو ترقّی دینا، سڑکیں اور چھوٹے چھوٹے پُل بنانا، میلے اور بازار لگوانا، مویشیوں کی دیکھ بھال اور علاج کا انتظام کرنا، درخت لگوانا اور گاؤں کی حفاظت کے لیے رضا کار بنانا گاؤں پنچایت کے خاص کام ہیں۔ گاؤں پنچایت کو ان کاموں کے لیے کچھ روپے سرکار سے ملتے ہیں اور کچھ رقم ٹیکس وغیرہ کے ذریعے پنچایت خود حاصل کرتی ہے۔

گاؤں کے جھگڑے طے کرنے کے لیے ایک کمیٹی بنائی جاتی ہے جسے ''پنچایتی عدالت'' کہتے ہیں۔ اس کا چناؤ ہر پانچویں سال ہوتا ہے۔ اس کے صدر کو سرپنچ اور نائب صدر کو نائب سرپنچ کہتے ہیں۔ پنچایتی عدالت میں پانچ پنچوں کی چھوٹی چھوٹی کمیٹیاں ہوتی ہیں جو پنچ منڈل کہلاتی ہیں۔ یہ پنچ منڈل سال بھر کام کرتے ہیں اور پھر ان کے ممبروں کو تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ جب کوئی مقدمہ پنچایتی عدالت کے سامنے آتا ہے تو سرپنچ اس کو ایک پنچ منڈل کے سپرد کر دیتا ہے۔ اس طرح اب گاؤں کے لوگوں کو چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے تھانے اور کچہری نہیں دوڑنا پڑتا۔ سنچائی، مینڈ، لین دین اور مار پیٹ کے جھگڑے گاؤں ہی میں طے ہو جاتے ہیں۔ گاؤں کے اس انتظام کے دو فائدے ہیں۔ ایک تو اس میں کسی طرف سے وکیل کی ضرورت نہیں ہوتی اور دوسرے پنچ گاؤں ہی کے ہوتے ہیں اس لیے وہ معاملے کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں اور انصاف کر سکتے ہیں۔

پنچایتی راج قائم کرنے سے ہمارے گاؤں کو بہت فائدہ ہوا ہے۔ لیکن اس نظام سے جہاں ہمارے گاؤں والوں کو بڑے بڑے اختیار ملے ہیں وہاں ان کی ذمّے داریاں بھی بڑھ گئی ہیں۔

گاؤں پنچایت کے ممبران کا یہ فرض ہے کہ وہ مل کر گاؤں کی ترقّی کے لیے کوشش کریں۔ وہ دن دور نہیں کہ گاؤں کی زندگی ویسی ہی بن جائے گی جیسی گاندھی جی چاہتے تھے۔

© NCERT not to be republished

مشق

• معنی یاد کیجیے:

قلّت	:	کمی
وسائل	:	وسیلہ کی جمع، ذریعہ
خریف	:	جوار، مکئی کی پیداوار
ربیع	:	گیہوں اور تلہن کی پیداوار
رضا کار	:	اپنی خوشی سے سماجی خدمت کرنے والے
نگرانی	:	دیکھ بھال
دست کاری	:	ہاتھ کا کام

• غور کیجیے:

☆ پنچایت راج گاندھی جی کے خیالات کا حصّہ ہے۔ اس کے ذریعے گاؤں والوں کو بہت سے فائدے حاصل ہو رہے ہیں۔

• سوچیے اور بتائیے:

1۔ انگریزی حکومت سے پہلے ہمارے گاؤں کا انتظام کیسے ہوتا تھا؟
2۔ آزادی کے بعد ہمارے گاؤں کے انتظام میں کیا تبدیلی آئی؟
3۔ پنچایت راج قانون کے مطابق گاؤں کا انتظام کس طرح کیا جاتا ہے؟
4۔ گاؤں پنچایت کے کیا کیا کام ہیں؟
5۔ گاؤں پنچایت سے کیا فائدے ہیں؟
6۔ گاؤں پنچایت سے گاندھی جی کا خواب کس طرح پورا ہو رہا ہے؟

© NCERT not to be republished

• نیچے لکھے ہوئے لفظوں سے جملے بنایئے:

گاؤں پنچایت   دست کاری   مویشی   چناؤ   انصاف   اسکول

• نیچے لکھے ہوئے لفظوں سے خالی جگہوں کو بھریے:

گاندھی جی   سکریٹری   پنچایتی راج   جھگڑے   فائدہ

1۔ ہماری ریاستوں میں .... قانون بنایا گیا۔

2۔ گاؤں پنچایت کا ایک .... بھی ہوتا ہے۔

3۔ گاؤں کے .... طے کرنے کے لیے ایک کمیٹی بنائی جاتی ہے۔

4۔ پنچایتی راج قائم ہونے سے ہمارے گاؤں کو بہت .... ہوا ہے۔

5۔ گاؤں کی زندگی ویسی ہی بن جائے گی جیسی .... چاہتے تھے۔

• عملی کام:

☆ گاؤں پنچایت پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔

© NCERT not to be republished

احمد جمال پاشا

(1929 – 1987)

احمد جمال پاشا کا اصلی نام محمد نزہت پاشا تھا۔ وہ الہ آباد میں پیدا ہوئے۔ لکھنؤ یونیورسٹی سے بی۔اے اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم۔ اے کیا۔ لکھنؤ سے 'اودھ پنچ' نکالنا شروع کیا جسے اِس کا تیسرا دور کہا جاتا ہے۔ بعد میں 'قومی آواز' اخبار کے شعبۂ ادارت سے منسلک ہوگئے۔ 1976 میں سیوان (بہار) منتقل ہوگئے، جہاں ذکیہ آفاق اسلامیہ کالج میں اردو کے استاد کے طور پر خدمات انجام دیں۔ پٹنہ میں انتقال ہوا۔

احمد جمال پاشا نے 1950 سے لکھنا شروع کیا۔ زمانۂ طالب علمی میں علی گڑھ کے رسالے ''اسکالر'' کے مدیر ہوئے اور اُس کے ''پیروڈی نمبر'' کی وجہ سے شہرت پائی۔ ''اندیشۂ شہر''، ''ستم ایجاد''، ''لذّتِ آزار''، ''مضامینِ پاشا''، ''چشمِ حیراں'' اور ''پتّیوں پر چھڑکاؤ'' وغیرہ ان کی مشہور مزاحیہ کتابیں ہیں۔ ''ظرافت اور تنقید'' ان کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے۔

احمد جمال پاشا کو ادبی خدمات کے لیے غالبؔ ایوارڈ اور بہار اردو اکادمی کا اختر اورینوی ایوارڈ دیا گیا۔

© NCERT not to be republished

مُلاّ نصرالدّین

مُلاّ نصرالدین کے بارے میں عجیب وغریب روایتیں ہیں۔ مثلاً یہ کہ سیر وسفر کے رسیا اس ازلی سیّاح نے اپنے سُست رفتار گدھے پر دنیا کا سفر کیا تھا۔ ملاّ نے ٹٹّو پر دنیا کا سفر کیا یا نہیں مگر اپنے لطائف کے دوش پر یہ سفر ضرور پورا کر لیا۔ ملاّ کا گدھا کسی بھی صورت میں ڈان کویکزاٹ اور خوجی کے ٹٹّو سے کم نہیں ۔ ملاّ کا سفر ابد تک جاری رہے گا۔ دنیا کی تقریباً ہر زبان میں مُلاّ کے واقعات ، فیصلے ، لطیفے ، حکایتیں ، مضحک واقعات اور سفر نامے ترجمہ ہوکر مقبول ہو چکے ہیں۔

مُلاّ نصرالدین اپنی حاضر جوابی ، خوش باشی، زندہ دلی کی وجہ سے آج بھی زندہ ہیں۔ ملاّ کا مزاح لا فانی ہے اور اس وقت تک کبھی پرانا نہ ہوگا جب تک کہ ایسے لوگ باقی ہیں جو ایک ستھرے اور شستہ مذاق کو پسند کرتے ہیں۔ ملاّ کے ان پُر لطف واقعات اور باتوں پر آج بھی لوگ اسی طرح ہنستے ہیں جیسے ملاّ کے زمانے میں ان پر لوگ ہنسا کرتے تھے۔

ملاّ سے متعلق روایات کے مطابق انھوں نے مختلف ملکوں کا سفر کیا تھا اور مختلف درباروں سے وابستہ رہے تھے۔ اکثر تذکروں میں ملاّ کے ترکی ، ایران،عرب، ہندوستان، روس، چین جانے کے بارے میں روایتیں ہیں مگر اُن روایتوں کی حیثیت قیاس آرائی سے زیادہ نہیں۔ ملاّ کب کس زمانے میں اور کس بادشاہ کے عہد میں کس ملک میں رہے اس کے بارے میں تاریخ خاموش ہے۔

ملاّ کا باقاعدہ گھر بار ہے جو بار بار بستا اور اُجڑتا ہے۔ اس میں ویرانی کے بجائے ایک چہل پہل اور فاقہ مستی ہے۔ ملاّ کے بیوی بچوں سے لے کر گدھے تک سب اسی رنگ میں سرشار نظر آتے ہیں۔

ملاّ ہرفن مولا ہیں۔ شاید ہی کوئی ایسا پیشہ ہو جسے ملاّ نے اختیار نہ کیا ہو۔ کبھی وہ معلّم کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں ، کبھی منبر پر وعظ دیتے نظر آتے ہیں۔ کبھی ایک تاجر کی حیثیت سے مصروف نظر آتے ہیں۔ کبھی معمار کی شکل میں مکان بناتے ملتے ہیں۔ کبھی درزی کی حیثیت سے کپڑے سیتے دکھائی دیتے ہیں۔ کبھی قاضی کی حیثیت سے دونوں فریقوں کے حق میں فیصلہ کرتے ہوتے ہیں اور کبھی ایک سیّاح کی طرح جہاں گردی میں ٹٹّو پر سوار نظر آتے ہیں۔ ان کی زندگی ایک مسلسل سفر ہے۔

مُلاّ نصرالدین کوئی خیالی کردار نہیں۔ البتہ بے شمار من گھڑت واقعات اس کی ذات سے منسوب کردیے گئے ہیں۔ مُلاّ کی زندگی میں ایسے واقعات بہت ہوئے جو اپنے انوکھے پن اور ذہانت کی وجہ سے ہمیشہ دل چسپی کا باعث رہیں گے۔ یہی واقعات ملاّ کی ہردل عزیزی اور لازوال شہرت کا باعث ہیں۔ ہر محفل کو گرم کرنے کے لیے آج بھی ملاّ کی یاد تازہ کی جاتی ہے۔

مُلاّ ہنسی ہنسی میں اہم اور ٹیڑھی باتیں اور باریک نکتے، بالکل سیدھے سادے طور پر سمجھا دیتا تھا۔ اس کا مزاح اور طنز آمیز باتیں دل پر فوراً اثر کرتیں ۔ سننے والے ہنستے ہنستے زندگی کی کسی بڑی حقیقت پر غور کرنے لگتے۔

ملاّ نے سنجیدہ فکر کو بیدار کرنے کے لیے کبھی پند و نصائح سے کام نہیں لیا حالاں کہ ملاّ نے زندگی بھر صرف نصیحتیں ہی کیں مگر براہ راست نہیں۔

ملاّ کا نظریہ یہ تھا کہ اس رونی منہ بسورتی دنیا میں لوگوں کو سمجھانے کے لیے ضروری ہے کہ ان کی سمجھ کے مطابق بات کی جائے اور بات سمجھانے کے لیے ہنسی مذاق کو اپنا شعار بنایا جائے۔ مُلاّ نصرالدین نے اپنے اس نظریے کو اس حدتک عملی جامہ پہنایا کہ وہ خود جان بوجھ کر ظرافت کے اس عمل سے گزرتے رہے جس میں تماشے اور تماشائی میں فرق نہیں رہ جاتا اور ہنسانے والے کی اعلیٰ ظرفی اپنے اوپر قہقہے لگانے اور لگوانے پر بھی قادر ہوجاتی ہے۔ اس طور پر ملاّ نے عقل مندی کے ساتھ لوگوں کو اچھی باتیں ذہن نشین کراکے لطیفے کے افادی مرتبے کو بہت بلند منزل عطا کردی۔

(احمد جمال پاشا)

مشق

• معنی یاد کیجیے:

ازلی	:	ابتدائی، دنیا میں پہلے دن سے
سیّاح	:	سفر کرنے والا، لگاتار دیس بدیس گھومنے والا
لطائف	:	لطیفہ کی جمع، چٹکلے
دوش	:	کندھا
ابد	:	جب تک دنیا قائم ہے
حکایت	:	کہانی، قصّہ
مضحک	:	مزاحیہ
خوش باشی	:	خوشی کے ساتھ رہنا، اچھّا وقت ساتھ ساتھ گزارنا
لافانی	:	ہمیشہ رہنے والا، فنا نہ ہونے والا
شُستہ	:	نفیس
روایات	:	روایت کی جمع، کہا گیا، مانا گیا، عام طور پر مقبول
قیاس آرائی	:	اندازہ لگانا
تذکرہ	:	ایسی کتاب جس میں کسی شخص کے حالات درج ہوں
لازوال	:	جس پر زوال نہ آئے
فاقہ مستی	:	فاقہ یا غربت میں خوش اور مطمئن رہنا
سرشار	:	خوش، مطمئن
معلّم	:	استاد
منبر	:	وہ اونچی جگہ جس پر کھڑے ہو کر وعظ یا خطبہ دیا جاتا ہے

© NCERT not to be republished

وعظ	:	نصیحت اور دین کی باتیں
معمار	:	مکان بنانے والا، بنانے والا
فریق	:	جماعت، گروہ
جہاں گردی	:	دنیا جہان گھومنے والا
غم انگیز فضا	:	دُکھ بھرا ماحول
شادمانی	:	خوشی
ہر دل عزیزی	:	مقبولیت
طنز آمیز	:	طنز سے بھرا ہوا
تنگ نظر	:	جس کا ذہن کھُلا ہوا نہ ہو
بیدار	:	جاگنا
پند	:	نصیحت
نصائح	:	نصیحت کی جمع، بھلائی اور نیکی کی باتیں
شِعار	:	طریقہ، انداز
ظرافت	:	ہنسی مذاق، مزاح
اعلیٰ ظرفی	:	بڑائی
قادر	:	قدرت والا
ذہن نشین	:	ذہن میں بٹھا لینا
افادی	:	فائدہ مند
منسوب	:	متعلق ، جڑا ہوا
جلوہ گر	:	دکھائی دینا

© NCERT not to be republished

• غور کیجیے:

☆ لطیفے، چُٹکلے یوں تو ہنسنے ہنسانے کے لیے ہوتے ہیں لیکن اُن کے پیچھے سماجی، تہذیبی اور اخلاقی مقاصد بھی پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اسی لیے مُلّا نصرالدین کے لطیفے صرف ہنسنے کے لیے نہیں ہیں بلکہ ان سے ہماری سماجی بُرائیوں کی اصلاح بھی ہوتی ہے۔

• سوچیے اور بتائیے:

1۔ ملّا نصرالدّین کے بارے میں کیا کیا روایتیں مشہور ہیں؟

2۔ ملّا نصرالدّین کا نام آج بھی کیوں زندہ ہے؟

3۔ ملّا نصرالدّین کو ہرفن مولا کیوں کہا جاتا ہے؟

4۔ ملّا نصرالدّین کی باتیں دل پر کیوں اثر کرتی تھیں؟

5۔ ملّا نصرالدّین نے ہنسی مذاق کو اپنا شعار کیوں بنایا؟

• نیچے لکھے ہوئے لفظوں کو جملوں میں استعمال کیجیے:

عجیب وغریب	ہردل عزیزی	سرشار	بیدار
جہاں گردی	لازوال	حاضر جوابی	

• نیچے لکھے ہوئے لفظوں کی جمع بنائیے:

نصیحت	حیثیت	مصروفیت	روایت	حکایت

• عملی کام:

☆ مُلّا نصرالدین کی شخصیت آپ کو کیسی لگی۔ اپنے لفظوں میں لکھیے۔

© NCERT not to be republished

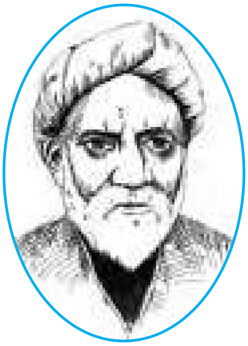

ڈپٹی نذیر احمد

(1831 – 1912)

ڈپٹی نذیر احمد اُتّر پردیش کے ضلع بجنور، تحصیل نگینہ کے ایک چھوٹے سے گاؤں ریہڑ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام مولوی سعادت علی تھا۔ نذیر احمد کی ابتدائی تعلیم بجنور، مظفّر نگر اور دہلی میں ہوئی۔ اعلیٰ تعلیم دلّی کالج میں ہوئی جو اب ذاکر حسین کالج کے نام سے مشہور ہے۔

1854 میں تعلیم سے فراغت کے بعد انھوں نے پنجاب کے ایک مدرسے میں مدرّسی کا پیشہ اختیار کیا۔ انگریز حکومت نے ان کی خدمات کے اعتراف میں انھیں ’شمس العلما‘ کا خطاب دیا۔ 1902 میں ایڈنبرا یونیورسٹی نے ایل ایل۔ ڈی کی ڈگری تفویض کی۔

ڈپٹی نذیر احمد ترجمہ نگار، ادیب، ناول نگار اور مقرّر بھی تھے۔ اردو ادب میں ان کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ وہ اردو کے پہلے ناول نگار ہیں۔ ’’مراۃ العروس‘‘، ’’بنات النّعش‘‘، ’’توبۃ النّصوح‘‘ اور ’’ابن الوقت‘‘ ان کے اہم ناول ہیں۔ ان کے ناول حقیقت پسندی، اخلاقی تربیت اور دلچسپ کرداروں سے بھرپور ہیں۔ لہجہ پُر جوش اور اثر انگیز ہے۔

© NCERT not to be republished

وقت

دنیا میں ہر چیز کی کچھ نہ کچھ تلافی ہے۔ مگر نہیں ہے تو وقت کی۔ جو گھڑی گُزر گئی وہ کسی طرح تمھارے قابو میں نہیں آسکتی اور وقت کے گزر جانے پر غور کریں تو اسے کسی چیز کے ساتھ تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔ وقت ریل سے زیادہ تیز ہے، ہوا سے بڑھ کر اُڑنے والا، بجلی سے سوا بھاگنے والا اور دبے پاؤں نکلا جاتا ہے کہ خبر نہیں ہوتی۔ صبح ہوئی، سوکر اُٹھے جب تک معمولی ضرورتوں سے فراغت حاصل کرو، ذرا ناشتہ وغیرہ کھاؤ پیو، پھر دن چڑھ آیا۔ پھر گھڑی دو گھڑی اِدھر اُدھر اٹھے بیٹھے، گپ شپ اڑائی تو دس بجنے کو آئے۔ مدرسہ جانے کو دیر ہوتی ہے۔ جلد کھایا پیا، مدرسے گئے۔ وہاں دوستوں سے ہنسی مذاق کرتے رہے۔ استاد کی تاکید سے دو ایک مرتبہ

بُری بھلی طرح سبق پڑھا، چلو شام ہوئی۔ دن رخصت ہوا، گھر آئے تو پھر کھانے کو سوجھی، کھانا کھانے سے کسل پیدا ہوا، ذرا لیٹے تو پھر صبح موجود۔ کام تو کچھ بھی نہ ہوا، لیکن چوبیس گھنٹے گزرتے ہوئے معلوم نہ ہوئے اور ایک چوبیس گھنٹے کیا، ایسے ایسے صدہا ہزاروں چوبیس گھنٹے اسی طرح گزر جاتے ہیں۔ بیت:

صُبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
عُمر یُوں ہی تمام ہوتی ہے

جب وقت کی بے ثباتی کا یہ حال ہے اور جو وقت گزرا وہ ہمارے اختیار سے باہر ہوا تو نہایت ضروری ہے کہ وقت پر ہمارا اختیار ہو۔ اس کو ضائع نہ ہونے دیں۔ یہی وقت ہے کہ سونے اور کھیلنے میں گذر جاتا ہے اور آدمی کو سُست اور غبی، رسوا اور خوار اور محتاج اور طرح طرح کے امراض میں مبتلا اور بداخلاقیوں میں گرفتار کردیتا ہے۔

یہی وقت ہے کہ اگر اس کو اچھے شغل، اچھے کام، اچھی بات میں لگایا جائے تو انسان کو عالم، فاضل، لائق، ہنرمند، نام ور، محترم، نیک ہردل عزیز بنا کر طرح طرح کی خوبیوں اور بھلائیوں سے آراستہ کرسکتا ہے۔

اے لڑکو! یہ فراغت کا وقت جو تم کو اب میسّر ہے بس غنیمت سمجھو۔ اب نہ تم کو کھانے کی فکر ہے نہ کپڑے کا سوچ۔ جو کچھ تم سے سیکھتے اور حاصل کرتے بن پڑے لگ لپٹ کر جلد سیکھ ساکھ لو کہ آئندہ تمھارے کام آئے۔ ورنہ پھر کہاں تم اور کہاں یہ فراغت۔ اس وقت تم سر پر ہاتھ رکھ کر روؤ گے اور رونا کچھ سود مند نہ ہوگا۔ بہت پچھتاؤ گے اور پچھتانا کچھ فائدہ نہ بخشے گا۔ بہت افسوس کروگے اور افسوس سے کچھ نہ ہوگا۔ یہ وقت جو تم کو اب حاصل ہے اُن وقتوں کی مانند نہیں، جو جوانی اور پیری میں تم کو آئندہ پیش آئیں گے۔ لڑکپن کا وقت جوتنے اور بونے کا وقت ہے اور جوانی اور پیری کا وقت کاٹنے اور گاہنے کا۔ اگر اس وقت میں تم کچھ جوت بو رکھو گے تو جوانی اور پیری دونوں میں کاٹ سکو گے۔ اس وقت کو اس طرح صَرف کرو کہ جوانی اور پیری دونوں میں آرام آسائش سے رہو اور چاہو تو اس وقت کو ایسا اکارت کرو کہ جوانی بھی خراب ہو اور پیری بھی برباد ہو۔ ایک وقت وہ آرہا ہے کہ تم فرصت کو ڈھونڈو گے اور فرصت کا پتہ نہ پاؤ گے اور فراغت کی تلاش کروگے اور فراغت کا سُراغ نہ ملے گا۔ یہ وہ وقت ہوگا کہ دنیا کا بار تمھاری پیٹھ پر لدا ہوگا۔ خانہ داری کے بکھیڑوں میں تم اس طرح پھنسے ہوگے جس طرح دَلدل میں گدھا۔ ایک طرف تو فکرِ معاش تم کو سر کھُجانے کی مہلت نہ دے گی اور دوسری طرف انتظامِ تعلقات تم کو دم نہ لینے دے گا۔ اس وقت کسبِ کمال کا کیا مذکور، اگر حواس بجا رکھ کر ان ہی کاموں سے عہدہ برآ ہو جاؤ تو صد آفریں۔

بس یہ خیال ہرگز اپنے دل میں مت آنے دو کہ ابھی سیکھنے کا بہت وقت آرہا ہے۔ ایسی کیا بھاگڑ مچی ہے کہ رات دن لکھنے

پڑھنے کے پیچھے مر مٹے۔ اگلا حال کچھ کسی کو معلوم نہیں۔ کون جانے کہ تندرستی رہے نہ رہے۔ زمانہ فرصت دے یا نہ دے۔ یہ سب سامان جواب میسّر ہیں، میسّر ہوں یا نہ ہوں۔ بے شک وقت کی قدر و قیمت اور اس کی بھاگا بھاگ تو یہ چاہتی ہے کہ تم خواب وخور اپنے اوپر حرام کر کے رات دن کتاب پر سے سر نہ اٹھاؤ۔ لیکن انسان کی طبیعت کو خُدا نے تازگی پسند بنایا ہے۔ کیسا ہی کوئی دل چسپ شغل ہو ایک عرصے کے بعد ضرور اس سے جی گھبرا اُٹھتا ہے اور طبیعت اُکتانے لگتی ہے اور اگر طبیعت کو مجبور کر کے اس کام پر لگائے رہو تو وہ کام بھی اچھّی طرح نہیں ہوتا اور حواس بھی کُند ہو جاتے ہیں۔ اس واسطے مناسب ہے کہ کتاب کا مطالعہ ایسے اعتدال کے ساتھ جاری رکھو کہ تندرستی کو خلل نہ پہنچے اور ہمیشہ چند قسم کا شغل رکھو۔ مثلاً نظم و نثر، تاریخ و جغرافیہ اور حساب ایک ساتھ پڑھو۔ جب نثر سے طبیعت ملول ہوئی نظم دیکھنے لگے۔ تھوڑی دیر تاریخ پڑھی۔ کچھ دیر جغرافیہ کی سیر کی، پھر حساب میں طبع آزمائی کی۔ ان سب سے گھبرائے تو کچھ لکھنے بیٹھ گئے۔ جب رات کو سونے لگو تو ضرور سوچو کہ آج ہم نے کون سی نئی بات حاصل کی۔ اگر معلوم ہو کہ آج کچھ نہیں سیکھا تو جانو کہ دن رائیگاں گیا اور اس نقصان کی تلافی اپنے ذمّے لازم سمجھو۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ہے کہ جس کے دو دن برابر ہوں یعنی ایک شخص جیسا کل تھا آج بھی ویسا ہی رہے اور اپنی حالتِ دیروزہ میں ترقی نہ کرے تو وہ خسارے میں ہے۔

(ڈپٹی نذیر احمد)

© NCERT not to be republished

مشق

• معنی یاد کیجیے:

تلافی	:	نقصان کی بھرپائی
تشبیہہ دینا	:	ایک چیز کو دوسری چیز کی طرح بتانا
تاکید	:	زور ڈالنا
غبی	:	کُند ذہن

کسل	:	سُستی
سُراغ	:	پتہ، نشان
فکرِ معاش	:	روزی کی فکر
صدآفریں	:	بہت بہت شاباشی
خواب وخور حرام کرنا	:	کھانا پینا، سونا مشکل ہوجانا
اعتدال	:	نہ کم ہونا نہ زیادہ ہونا، بیچ کا راستہ
ملول ہونا	:	اکتا جانا
طبع آزمائی کرنا	:	کوشش کرنا
دیروزہ	:	گذشتہ کل
صدہا	:	سیکڑوں
بے ثباتی	:	ٹھہراؤ نہ ہونا، قائم نہ رہنا، مٹ جانا
خوار	:	ذلیل
مبتلا	:	پھنسا ہوا
شغل	:	مشغلہ، مصروفیت
ہر دل عزیز	:	سب کا پیارا
سودمند	:	فائدہ مند
فراغت	:	فرصت
گاہنا	:	اناج پر بیلوں کو پھرانا تاکہ بھُس الگ اور اناج الگ ہوکر صاف ہوجائے
صَرف کرنا	:	خرچ کرنا
بار	:	بوجھ
کسب	:	حاصل کرنا
مذکور	:	جس کا ذکر کیا گیا
حواس	:	ہوش

© NCERT not to be republished

عہدہ برآ ہونا	:	ذمّے داری پوری کرنا
رائگاں	:	بے کار
لازم	:	ضروری

- **غور کیجیے:**

☆ زندگی میں کامیابی کا دارومدار وقت کے صحیح استعمال پر ہے۔

- **سوچیے اور بتائیے:**

1۔ دنیا میں وقت کی تلافی کیوں ممکن نہیں ہے؟
2۔ وقت ضائع کرنے سے انسان کس قسم کے حالات سے دوچار ہوسکتا ہے؟
3۔ وقت کے صحیح استعمال سے انسان میں کیا خوبیاں پیدا ہوتی ہیں؟

- **خالی جگہوں کو بھریے:**

صبح .... شام ہوتی ہے
عمر .... تمام ہوتی ہے

- **نیچے لکھے ہوئے لفظوں کے متضاد لکھیے۔**

پیری   جاہل   لائق   سُست   بھلائی   خسارہ

- **عملی کام:**

☆ اس سبق کو پڑھنے کے بعد آپ صبح سے شام تک اپنا وقت کیسے گذاریں گے؟ لکھیے۔

© NCERT not to be republished